هفت روزه
الفتح
کراچی
۶-۱۳ ستمبر ۱۹۷۳ء

سندھ میں ۲۱ لاکھ افراد بے گھر ہو گئے



قیمت ۷۵ پیسے
ہوائی ڈاک سے ایک روپیہ



سندھ میں 21 لاکھ افراد بے گھر ہو گئے

سیلاب نے پاکستانی معیشت کی کمر توڑ دی

۳۵ کروڑ روپے کی مالیت کے مویشی اور زرعی آلات بہہ گئے

حالیہ سیلاب نے پاکستان کی معیشت کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ سے زیادہ نقصان ہوا۔ وفاقی مرکزی خزانہ ڈاکٹر مبشر حسن کے بیان کے مطابق ملک کو اپنی معیشت بحال کرنے میں کئی سال لگ جائیں گے۔

صوبہ سندھ میں متعدد بار سیلاب آئے۔ ۱۸۱۹ء ۱۸۴۱ء، ۱۸۶۱ء، ۱۸۸۲ء، ۱۸۹۷ء، ۱۹۰۳ء، ۱۹۱۴ء ۱۹۱۷ء، ۱۹۲۱ء، ۱۹۲۴ء اور ۱۹۳۰ء میں ہولناک اور تباہ کن سیلاب آئے۔ لیکن موجودہ سیلاب کی شدت اور تباہ کاریوں کی مثال سندھ کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ حکومت کے ابتدائی جائزے کے مطابق صوبہ سندھ کے کچے اور پکے علاقوں کی ۲ لاکھ ۲۹ ہزار ایکڑ زیرِ کاشت زمین سیلاب کی زد میں آئی ہے، اور ایک ارب روپے کی مالیت کی کھڑی فصلیں تباہ و برباد ہو گئیں۔ ۳۵ کروڑ روپے کے مویشی اور زرعی آلات سیلابی پانی میں بہہ گئے۔ ۵ ہزار ۵ سو دیہاتوں میں املاک کے نقصان کا اندازہ ۴۱ کروڑ ۲۵ لاکھ روپے کے لگ بھگ ہے۔ پکے علاقے کے ۱۵ لاکھ اور کچے علاقہ کے تقریباً ۶ لاکھ افراد بے گھر ہو گئے۔

سیلاب سے متاثرہ افراد اور علاقوں کو مندرجہ ذیل اشیاء اور روپوں کی فوری ضرورت ہے۔

گندم —— ۳ لاکھ ٹن
دالیں —— ۵۵۰۰ ٹن
خوردنی تیل —— دس ہزار ٹن
کپڑے —— ۷ کروڑ ۵۰ لاکھ روپے
خشک دودھ —— ۱۲ لاکھ پونڈ
ٹرانسپورٹ کے لئے —— ایک کروڑ ۳۵ لاکھ روپے
زرعی آلات کے لئے —— تین کروڑ روپے
ریلوے لائینوں کی مرمت —— ۵۰ لاکھ روپے
سڑکوں کی مرمت —— ۲ کروڑ روپے
ٹیلیفون اور ٹیلی گراف لائنوں کی مرمت —— ۲۵ لاکھ روپے
آبپاشی کے نظام کی مرمت —— ۵۰ کروڑ روپے
ربیع فصل کی کاشت کے لئے بیج کی ضرورت ہوگی۔ اس ضرورت کا ابتدائی اندازہ لگایا گیا ہے۔
گندم —— ۲۰ ہزار ٹن
چاول اور دال —— ۵ ہزار ٹن
تیل کے بیج —— ۴ ہزار ٹن

پکے علاقے میں پانی کی قلت کی وجہ سے چھوٹے زمینداروں اور آبادکاروں نے بنک سے قرضے لیکر ٹیوب ویل لگائے تھے۔ ایک ٹیوب ویل پر ۲۰ سے ۲۵ ہزار روپے کی لاگت آئی تھی۔ ایک ٹیوب ویل سے ایک سو ایکڑ زمین آباد ہوتی ہے۔ چار سو میل کچے علاقے میں ہزاروں ٹیوب ویل تھے جو حالیہ سیلاب میں ڈوب گئے اور تباہ ہو گئے۔ ابتدائی جائزے کے مطابق سکرنڈ تحصیل میں ڈیڑھ سو، تحصیل پنوں عاقل میں ڈھائی سو، تحصیل اباڑو میں ڈیڑھ سو، تحصیل سکھر میں تین سو اور مورو میں دو سو ٹیوب ویل تباہ ہو گئے۔

پنجاب میں سیلاب کی تباہ کاریاں سندھ سے زیادہ ہیں۔ پانی اترنے پر ہی صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ البتہ پنجاب کے وزیرِ خزانہ حنیف رامے نے جو سیالکوٹ میں امدادی کمیٹی کے انچارج تھے، جو ابتدائی رپورٹ دی ہے، اس کے مطابق ضلع سیالکوٹ میں متاثرہ دیہاتوں کی تعداد ۱۱۰۸ ہے۔ اس کے علاوہ بعض ایسے دیہات ہیں، جہاں ابھی تک رسائی نہیں ہو سکی۔

ابتدائی رپورٹ کے مطابق ضلع سیالکوٹ میں سیلاب کی تباہ کاریوں کی تفصیل یہ ہے۔

کل رقبہ جو سیلاب کی زد میں آیا —— ۴۲۸۱۱۵ ایکڑ
زیرِ کاشت رقبہ —— ۲۵۵۲۹۰ ایکڑ
بے گھر افراد کی تعداد —— ۱۹۸۵۹۴
متاثرہ مکانات —— ۲۷۹۶۶
مکان جو مکمل طور پر بہہ گئے —— ۱۸۴۲۸
مویشی (بہہ گئے) —— ۲۲۸۵
ہلاک ہونے والوں کی تعداد —— ۶۱
زخمیوں کی تعداد —— ۴۰

(مسٹر حنیف رامے کے بیان کے مطابق یہ اعداد و شمار نامکمل ہیں)

پی آئی اے کو ایک کروڑ روپے زرمبادلہ کا نقصان ہوگا۔ کیونکہ پی آئی اے سے بیرونِ ممالک کا امدادی سامان متاثرہ علاقوں میں بھیجا جا رہا ہے۔ اور اس کو فوقیت دی جا رہی ہے۔ لہٰذا پی آئی اے کے زیادہ فوکر اسی کام پر لگے ہوئے ہیں۔

۶ - ۱۳ ستمبر ۱۹۷۳ء

قیمت: ـــ ۵۰ پیسے

ہوائی ڈاک سے: ایک روپیہ

مدیر

وہاب صدیقی

خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

اداریہ

سیاسی بحران کا سیاسی حل، مثبت راہ

وزیراعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو نے ایک غیر ملکی نامہ نگار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا ہے کہ نیپ کو حکومت میں نمائندگی دی جائے گی۔ نیز انہوں نے بلوچستان کے سابق گورنر میر غوث بخش بزنجو سے بھی ملاقات کی ہے۔

وزیراعظم نے بلوچستان کے سیاسی بحران کے حل کے لئے سیاسی راہ اختیار کر کے اچھا کیا ہے اور اس اقدام پر وزیراعظم کو ہر محبِ وطن شہری کی حمایت حاصل ہوگی۔ ان دنوں بلوچستان بین الاقوامی سیاست کا موضوع بنا ہوا ہے، غیر ملکی اخبارات "ایک اور بنگلہ دیش" کے عنوان سے اظہار رائے کر رہے ہیں۔ جس سے بات کرو، یہ پوچھتا ہے، بلوچستان کب تک الگ ہو جائے گا؟ سرحد اور بلوچستان میں علیحدگی کی تحریکوں کی کامیابی کے امکانات کتنے روشن ہیں؟ صوبے الگ ہو گئے تو پاکستان بچے گا بھی یا نہیں؟

یہ صورتِ حال بلوچستان میں نمائندہ حکومت کی معزولی اور مسلح افواج کو متعین کرنے سے پیدا ہوئی۔ وفاقی حکومت کی جانب سے یہ انتہائی اقدام تھا، بالکل یحییٰ خاں کی طرح جس نے عوامی لیگ کو غداروں کی جماعت قرار دے کر جماعتِ اسلامی کو اقتدار سونپ دیا تھا، بعینہٖ وفاقی حکومت نے عطاء اللہ مینگل کی کابینہ کو کالعدم قرار دے دیا اور اکبر بگٹی کو عنانِ اقتدار سونپ دی، اس پر طرہ یہ کہ پہلے شیر محمد مری کو گرفتار کیا گیا، فوج بھیجی گئی اور اب بلوچستان نیپ کے تمام سرکردہ رہنماؤں کو نظر بند کیا جا چکا ہے۔

ہفت روزہ

الفتح

جلد ۴ ـــ شمارہ ۱۷

خاص مضامین

سندھ میں سیلاب کی صورتِ حال۔

علی احمد میمن ـــ ۷

اسٹیٹ بنک۔ (پردہ چاک)

انیس احمد ـــ ۹

جاگیردار کے ڈیڑھ سو مسلح کارندوں نے تین گاؤں کا محاصرہ کر لیا

الفتح رپورٹ ـــ ۱۱

ہم موٹر خریدیں گے۔

احمد ندیم قاسمی ـــ ۱۳

معراج محمد خان کا انٹرویو۔

وہاب صدیقی ـــ ۱۷

سرورق: انور سمیع

عکاس: گرینگو

فون: ۴۱۲۲۷۴

ارشاد راؤ پبلشر نے حقی آفسٹ پریس لیاقت آباد سے چھپوا کر دفتر ہفت روزہ الفتح ۷، ۸ ڈی۔ نرسری کمرشل ایریا پی ای سی ایچ ایس کراچی ۲۹ سے شائع کیا

وفاقی حکومت کے مذکورہ اقدامات کی وجہ سے آج بھی جھڑپیں جاری ہیں، ان واقعات کے دوران وزیراعظم بھٹو کے حالیہ اقدام سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ وزیراعظم کو ذمہ دار افراد نے غلط معلومات فراہم کی تھیں اور اب انہیں عمل کے دوران جب یہ یقین ہو گیا ہے کہ بلوچستان میں علیحدگی کی کوئی تحریک موجود نہیں اور فوجی طاقت کے ذریعے سیاسی بحران کو حل کرنے کا سرے سے کوئی جواز نہیں تو انہوں نے صحیح موقف اختیار کیا ہے۔

وزیراعظم بھٹو کو بلوچستان کے حالات معمول پر لانے کے لئے مزید فراخدلی کا مظاہرہ کرنا ہو گا، ہمارا مشورہ ہے کہ وہ جناب شیر محمد مری، میر غوث بخش بزنجو، عطاءاللہ مینگل، سردار خیر بخش مری، گل خان نصیر اور دوسرے بلوچ رہنماؤں کے خلاف تمام مقدمات واپس لیں، انہیں آزاد کریں اور بات چیت مسٹر بزنجو تک ہی محدود نہ رہے، اس منصوبے میں سیاست کا محور جناب خیر بخش مری ہیں، وہ نیپ کے صوبائی سربراہ ہیں۔

ان سطور کا مقصد نیپ کی وکالت نہیں بلکہ وطن عزیز کے لئے خیرخواہی کے جذبات کا اظہار ہے، ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ اقتدار نیپ کے حوالے کرنے سے بلوچستان میں عوامی راج قائم نہیں ہو جائے گا اور نہ ہی مزدور کسان راج کی راہ ہموار ہو گی لیکن بلوچستان میں جو حالات پیدا کر دیئے گئے ہیں، ان سے پاکستان کی سالمیت کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے، اس خطرے کو صرف اور صرف اسی طرح ٹالا جا سکتا ہے کہ اقتدار بلوچستان کے منتخب نمائندوں کے حوالے کر دیا جائے اور ان سے اقتدار چھیننے کا اختیار ان عوام کو لوٹا دیا جائے جو انہیں برسر اقتدار لائے تھے۔

پیپلز پارٹی نے اپنے قائد جناب ذوالفقار علی بھٹو کی رہنمائی میں فوجی آمریت کے لئے ایک طویل اور تاریخی جدوجہد کی ہے۔ انہوں نے اقتدار فوج کی مدد سے حاصل نہیں کیا بلکہ ان کی طاقت کا سرچشمہ عوام ثابت ہوئے۔ جناب بھٹو بلوچستان میں بھی عوام کے ذریعے ہی مقبولیت حاصل کر سکتے ہیں، فوج کے ذریعے یا اقلیت کے ذریعے بلوچستان میں ان کے لئے گنجائش پیدا نہیں ہو سکتی اور انہیں جس کسی نے مشورہ دیا، وہ ان کا دوست نہیں، بدترین دشمن ہے۔

وزیراعظم بھٹو مرکز کے علاوہ دو بڑے صوبوں پنجاب اور سندھ میں حکمرانی کے جائز حقدار ہیں، ان کی حکومتیں کام کر رہی ہیں لیکن یہاں ارباب اختیار نے وزیراعظم کو چومکھی لڑائی میں مصروف کر رکھا ہے، مزدوروں کو گرفتار کیا جا رہا ہے، سینکڑوں ایسے جیالے جیلوں میں بند ہیں یا ان کے وارنٹ گرفتاری جاری کئے جا چکے ہیں جو فوجی آمریت کے خلاف جناب بھٹو کے دست و بازو تھے نو واردان کنونشن لیگیوں نے تیزی سے ان افراد کو پیپلز پارٹی سے دور کرنا شروع کر دیا ہے جو کبھی جناب بھٹو کے بہت قریب تھے، یہ لوگ چور بازاری، اسمگلنگ، ذخیرہ اندوزی، لوٹ مار اور دوسری بدعنوانیوں کا بازار گرم کئے ہوئے ہیں۔ مخالفین پر جھوٹے مقدمات بنائے جاتے ہیں، معاشی طور پر مارنے کی پالیسی پروان چڑھ رہی، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ پیپلز پارٹی کی مقبولیت میں خطرناک حد تک کمی واقع ہو چکی ہے، یہ صورت حال ان لوگوں کے لئے اور تشویشناک بن جاتی ہے، جو جناب بھٹو کے کارواں میں کبھی پیش پیش تھے اور آج عوام سے نظریں ملانے سے گریز کرتے ہیں۔

بلوچستان ہو یا سرحد، پیپلز پارٹی ان صوبوں میں اپنی مقبولیت سیاسی جوڑ توڑ کے ذریعے حاصل نہیں کر سکتی، اس کے لئے پنجاب اور سندھ میں مثالی حکومتیں قائم کرنا ہوں گی تاکہ بلوچستان اور سرحد کے عوام بھی اسی قسم کی حکومتوں کی خواہش کا اظہار کریں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ "طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں"۔ کے اصول پر سختی سے عمل کیا جائے اور بلوچستان سے وہ فوج واپس بلالی جائے جس کے بارے میں انٹر سروسز پبلک ریلیشنز بورڈ یہ بیان جاری کرتا ہے "شرپسندوں سے مقابلے کے دوران دو فوجی ہلاک ہو گئے، تین شرپسند مارے گئے"۔

■■

احوال واقعی منہاجؔ برنا

ملک کے ممتاز صحافی اور وفاقی انجمن صحافیان پاکستان کے صدر جناب منہاج برنا آئندہ سے قومی اور بین الاقوامی حالات پر تبصرہ کریں گے، ادارہ ان کا بے حد مشکور ہے کہ انہوں نے یہ اہم ذمہ داری قبول کر لی ہے (ادارہ)



سہ فریقی سمجھوتہ میں چین نے اہم کردار ادا کیا

۲۸ اگست کو پاکستان کے جنگی قیدیوں کی رہائی کے سلسلے میں جو پاک و ہند سمجھوتہ ہوا ہے وہ یقینی طور پر ایک خوش آئند بات ہے۔ نہ صرف متعلقہ فریقوں یعنی پاکستان اور ہندوستان اور بنگلہ دیش نے اس پر اطمینان کا اظہار کیا ہے، بلکہ ساری دنیا میں تقریباً تمام ہی اہم ممالک کی جانب سے اس کا خیر مقدم کیا گیا ہے۔

ہمارے نزدیک اب وہ وقت آگیا تھا کہ جب اس سمجھوتہ کا پایۂ تکمیل تک پہنچنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ ہندوستان کی ساری دنیا میں تھڑی تھڑی ہو چکی تھی، پھر جنگی قیدیوں کو رکھنے اور کھانے پینے کے مصارف ہندوستان کی موجودہ ابتر اقتصادی صورتِ حال میں روز بروز ناقابلِ برداشت بنتے جا رہے تھے۔ ہندوستان کے اپنے مفاد میں یہی تھا کہ اب وہ ۱۹۷۱ء کی جارحیت کے بعد اپنی "امن پسندی" کا رنگ جمانے کی کوشش کرے۔ اسی طرح بنگلہ دیش پر بھی یہ واضح ہو چکا تھا کہ اسے پاکستان کے ۱۹۵ قیدیوں پر فوری طور پر مقدمہ چلا کر کچھ حاصل نہ ہوگا بلکہ اس کے چار لاکھ کے قریب بنگالیوں کی پاکستان سے بنگلہ دیش واپسی مشتبہ ہو جائے گی۔ نیز پاکستان کی جانب سے بنگلہ دیش کے تسلیم کئے جانے کا مسئلہ مزید کھٹائی میں پڑ جائے گا۔ پاکستان اس سمجھوتہ کی تکمیل کے لئے پہلے ہی پیش قدمی کر چکا تھا۔ یہ پیش قدمی قومی اسمبلی میں اس قرارداد کی منظوری کی شکل میں کی گئی تھی جس میں صدر بھٹو (اب وزیر اعظم) کو یہ اختیار دیدیا گیا تھا کہ وہ مناسب وقت پر بنگلہ دیش تسلیم کر لیں۔

یہ صحیح ہے کہ اس سمجھوتہ کی تکمیل میں بڑے طویل مذاکرات کرنے پڑے۔ یعنی دو نشستوں میں تقریباً ۱۹ دن، پہلے راولپنڈی اور پھر دلی کے مذاکرات کے بعد اس معاہدہ پر دستخط ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ اتنے دن جو بات چیت ہوتی رہی تو کوئی نہ کوئی نکتہ یا نکتے ایسے تھے جو بحث طلب تھے۔ ایک بات تو خیر یہی تھی کہ یہ مذاکرات بظاہر دو فریقی تھے یعنی ہندوستان اور پاکستان کے درمیان براہِ راست ہو رہے تھے لیکن دراصل یہ سہ طرفہ تھے۔ اور تیسرا فریق جو بالواسطہ طور پر ان مذاکرات میں شامل تھا وہ بنگلہ دیش تھا۔

اس بات چیت میں بنگلہ دیش کی جانب سے پاکستان کے ۱۹۵ جنگی قیدیوں پر مقدمہ چلانے کا اعلان اور پاکستان کی طرف سے بنگلہ دیش میں مقیم بہاریوں کو واپس لینے پر لیت ولعل کی وجہ سے مذاکرات نے خاصا طول پکڑا۔ اس طرح ہندوستان اور بنگلہ دیش کی طرف سے یہ مطالبہ کہ پاکستان بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کا اعلان کر دے، بحث کو طول دیتا رہا۔ آخر کار سب ہی نے "کچھ لو اور کچھ دو" کے اصول پر عمل کرتے ہوئے دلی کے سمجھوتہ کی منظوری دیدی۔

اس سمجھوتہ کے تحت پاکستان کے ۹۲ ہزار جنگی قیدی ہندوستان سے پاکستان کو، پاکستان سے بنگالی باشندے بنگلہ دیش کو اور بنگلہ دیش سے وہ غیر بنگالی باشندے جو پاکستان آنا چاہتے ہیں بیک وقت واپس کئے جائیں گے۔ اور ہر تین ملک اپنے اپنے علاقے میں ان کی واپسی کے لئے تمام سہولتیں فراہم کریں گے۔ سمجھوتہ میں یہ بھی اعلان کر دیا گیا ہے کہ بنگلہ دیش سرِ دست پاکستان کے ۱۹۵ جنگی قیدیوں پر مقدمہ نہیں چلائے گا۔ اور اس مسئلہ کو جنگی قیدیوں، بنگالیوں اور بہاریوں کی واپسی کے بعد یا اس سے پہلے تینوں ممالک گفت و شنید سے طے کریں گے۔

بین الاقوامی سطح پر تمام ہی بڑی طاقتوں اور اہم ممالک نے اس سمجھوتہ کا خیر مقدم کیا ہے جن میں چھوٹے پڑوسی ممالک میں ایران اور نیپال اور بڑی طاقتوں میں چین، امریکہ روس، برطانیہ اور فرانس بھی شامل ہیں۔

تمام ممالک نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اس سمجھوتہ کے ذریعے برصغیر اور جنوبی ایشیا کے اس علاقے میں امن و مفاہمت کو فروغ ہوگا۔ مثلاً امریکہ کے صدر نکسن نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ "پاک و ہند کے درمیان جنگی قیدیوں

عزیز احمد کا دورہ چین بڑی اہمیت کا حامل ہے

چین اقوام متحدہ میں بنگلہ دیش کی رکنیت کی مخالفت نہیں کرے گا

کی رہائی پر سمجھوتہ ہو جانے سے ایشیائی برصغیر میں امن و تعاون کے امکانات کو تقویت ملی ہے۔" روسی اخبار "پراودا" کے نزدیک پاک و ہند کا یہ سمجھوتہ جنوبی ایشیائی برصغیر میں امن و سلامتی کے تحفظ کے راستے میں ایک بڑا قدم ہے۔ "اس سے برصغیر کی ریاستوں کے تعلقات کو معمول پر لانے میں بڑی مدد ملے گی۔"

اس سمجھوتہ پر سب سے اہم تبصرہ ہمارے دوست ملک عوامی جمہوریہ چین کے وزیر خارجہ مسٹر چی پنگ فی نے کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ "اس کے نتیجہ میں جنوبی ایشیا کے علاقے میں مفاہمت کے فروغ اور متعلقہ فریقوں کے درمیان تعلقات کو معمول پر لانے کے لئے سازگار حالات پیدا ہو گئے ہیں۔" مسٹر چی نے یہ الفاظ اس ضیافت کے دوران تقریر کرتے ہوئے کہے جو انہوں نے پاک و ہند مذاکرات میں پاکستانی وفد کے قائد اور وزیر مملکت برائے امور خارجہ و دفاع مسٹر عزیز احمد کے اعزاز میں سمجھوتہ پر دستخط ہونے کے صرف ایک دن بعد ترتیب دیا۔ سیاسی مبصرین کے نزدیک مسٹر عزیز احمد کا اتنی عجلت کے ساتھ سمجھوتہ پر دستخط ہونے کے بعد فوراً چین جانا اور چینی رہنماؤں کو سمجھوتہ کے مضمرات سے آگاہ کرنا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ بعض مبصرین کے نزدیک اس سمجھوتہ کی تکمیل میں چین کا بھی اتنا ہی اہم رول ہے جتنا پاکستان کا۔ اور بعض دوسرے مبصرین کے نزدیک مذاکرات میں چین اور ہندوستان اور چین اور بنگلہ دیش کے درمیان تعلقات کو معمول پر لانے کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا، اور اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ عزیز احمد صاحب فوری طور پر چین کا دورہ کریں۔ بعض دوسرے سیاسی حلقوں کا خیال ہے کہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے آئندہ اجلاس میں بنگلہ دیش کی رکنیت کا راستہ صاف کرنے کے لئے چین کی رضامندی حاصل کرنا ضروری ہے۔

لیکن چین کے وزیر خارجہ کی تقریر کا وہ حصہ بھی قابل غور ہے جس میں انہوں نے سمجھوتہ کا خیر مقدم کرنے کے بعد یہ تنبیہ کی کہ "کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو جنوبی ایشیا کے علاقے میں مفاہمت (DETENTE) نہیں چاہتے اور جو اپنے توسیع پسندانہ منصوبوں کی تکمیل کے لئے اس علاقے کے ممالک کے اندرونی معاملات میں مسلسل مداخلت کر رہے ہیں، اور تخریبی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ یہ لوگ ان ممالک کے درمیان نفاق کے بیج بوتے ہیں اور گڑبڑ کراتے ہیں تا کہ وہ اپنا اُلو سیدھا کر سکیں۔ لیکن آخر کار انہیں اپنے مقاصد میں سخت ناکامی کا منہ دیکھنا ہو گا۔"

آخر یہ کون لوگ یا عناصر ہیں جو برصغیر کے ممالک میں نفاق کے بیج بو رہے ہیں ظاہر ہے کہ برصغیر کے ممالک میں ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش ہی شامل ہیں۔ سیاسی مبصرین کے نزدیک چینی وزیر خارجہ کا اشارہ امریکی سامراج اور روسی سوشل سامراج اور ان کے حواریوں کی جانب ہے۔

چینی کمیونسٹ پارٹی کی دسویں کانگریس

گذشتہ ہفتہ کی اہم خبروں میں پاک و ہند سمجھوتہ کے بعد بین الاقوامی سطح پر سب سے اہم خبر پیکنگ میں چینی کمیونسٹ پارٹی کی دسویں کانگریس کا انعقاد ہے۔ ابھی اس پر تبصرہ کرنا قبل از وقت ہے کیونکہ اس کی مفصل رپورٹ سامنے نہیں۔ تاہم اس ضمن میں دو تین باتیں بہت واضح ہیں۔

ایک تو یہ کہ عظیم پرولتاری ثقافتی انقلاب کے ساتھ ساتھ چینی کمیونسٹ پارٹی کے اندر بورژوا ترمیم پسندانہ سیاسی لائن کے خلاف جو جدوجہد جاری تھی وہ کامیابی کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے۔ چیئرمین ماؤزے تنگ کی انقلابی مارکسی لیننی حکمت عملی کی جڑیں اتنی مضبوط ہیں کہ دنیا بھر کے رجعت پسندوں اور ترمیم پسندوں، دائیں اور بائیں بازو کے انتہا پسندوں کی تمام کوششوں کے باوجود وہ بدستور خارج اور سرخرو ہے۔

اس کانگریس میں لن پیاؤ اور چن پوتا کو انقلاب دشمن قرار دیدیا گیا، اور ثقافتی انقلاب کی بنیادی حکمت عملی کو صحیح قرار دیدیا گیا ہے۔ اس کانگریس میں دو اہم دستاویزات پیش کی گئی ہیں۔ ایک وہ رپورٹ جو وزیر اعظم چو۔این۔لائی نے پیش کی ہے، اور دوسری وہ جو پارٹی کے دستور میں بعض نئی ترمیموں کو پیش کرتے ہوئے شنگھائی کے جواں سال پارٹی لیڈر وانگ ہنگ وین نے پیش کی جو پارٹی کے پانچ نئے منتخب نائب صدروں میں شامل ہیں۔ چیئرمین ماؤ کو کانگریس نے از سر نو چیئرمین منتخب کیا۔ پانچ نئے صدروں کے نام یہ ہیں۔ چو۔این۔لائی، وانگ ہنگ وین، کانگ شینگ، یہ چن ینگ اور لی تیہہ شنگ۔

کامریڈ چو این لائی کی تقریر کا سب سے اہم حصہ وہ ہے جس میں انہوں نے چینی عوام کو روسی سوشل سامراج کی جانب سے چین پر اچانک حملہ کے امکان سے آگاہ کیا۔ انہوں نے چینی عوام کو ہدایت کی کہ "ہمیں اُن تمام جارحانہ جنگوں سے نمٹنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے، جو سامراج شروع کر سکتا ہے۔ ہمیں خاص طور سے اُس اچانک حملہ کے خلاف بھی تیار رہنا چاہیئے جو روسی ترمیم پسند سوشل سامراج چین پر کر سکتا ہے۔"

کامریڈ چو این لائی نے کہا کہ "چین بقائے باہم کے پانچ اصولوں کی بنیاد پر سوویت یونین سے پُر امن، دوستانہ اور مساویانہ تعلقات قائم رکھنے کے لئے تیار ہے۔ لیکن چینی عوام کسی صورت میں دھونس دھاندلی اور طاقت سے مرعوب نہیں ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ چین حملہ میں کبھی پہل نہیں کرے گا۔ لیکن اگر اس پر حملہ کیا گیا تو وہ پوری طاقت سے جوابی حملہ کرے گا۔" کامریڈ چو این لائی نے دریافت کیا کہ "کیا چین اپنی امن پسندی کا ثبوت دینے کے لئے دیوار چین کے شمال کا اپنا تمام علاقہ روس کے حوالے کر دے تب روس کو یقین ہو گا کہ چین عالمی امن کا خواہاں ہے اور روس سے اچھے تعلقات استوار کرنا چاہتا ہے۔"

باقی صفحہ ۳۰ پر

دہلی مذاکرات میں بھارت

اور چین کے تعلقات بھی

زیر بحث آئے ؟

محکمہ آبپاشی کے افسروں پر حفاظتی بندوں میں شگاف ڈالنے کا الزام



غلام مجتبیٰ جتوئی کو بلڈوزر دینے سے انکار کر دیا گیا



علی احمد میمن

سیلاب نے سندھ اور پنجاب میں جس بڑے پیمانے پر تباہی پھیلائی ہے، اس کے متعلق بڑے بوڑھوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے دو سو سال کے عرصے میں اتنا بھیانک اور تباہ کن سیلاب نہیں دیکھا۔

سندھ میں حالات دن بدن ابتر ہوتے جا رہے ہیں۔ جگہ جگہ سے بند ٹوٹ رہے ہیں۔ حفاظتی بندوں میں شگاف پڑ رہے ہیں۔ لاکھوں روپے کی کھڑی فصلیں تباہ ہو گئیں۔ پانی روکنے کی تمام تدابیر ناکام ہو گئیں۔ دریاؤں نے اپنا طوفانی رُخ آبادیوں کی جانب موڑ دیا۔ لاکھوں انسان بے گھر ہو کر دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ سینکڑوں سڑکیں اور راستے تباہ ہو گئے۔ اربوں روپے کی املاک تباہ ہو گئیں۔

اِدھر تباہی کا یہ عالم ہے، اُدھر تاجر اور دکاندار مظلوم اور سیلاب زدہ عوام کی کھال اشیائے صرف کی قیمتیں بڑھا کر اُتار رہے ہیں۔ چور بازاری اور ذخیرہ اندوزی اس پیمانے پر پہلے کبھی نہ تھی۔ نوکر شاہی الگ سے تباہی و بربادی کے اسباب پیدا کر رہی ہے۔

اگر سیلاب کی تباہ کاریوں کے ساتھ عوامی نمائندوں کارکنوں، نوکر شاہی اور وڈیروں کی کارکردگی کے بارے میں لب کشائی نہیں کریں گے، اور خاموشی اختیار کر لیں گے تو یہ تاریخ کے ساتھ غدّاری ہو گی۔ ان میں کچھ ایسے فرض شناس افراد بھی ہیں جنہوں نے شب و روز سیلاب زدگان کی امداد کی۔ بندوں اور پشتوں کی تعمیر میں بذاتِ خود حصّہ لیا۔

ضلع نواب شاہ کی تحصیل کنڈیارو، نوشہرو فیروز اور مورو سے دو ایم این۔ اے جناب غلام مصطفےٰ جتوئی مرکزی وزیرِ مواصلات (پی پی پی) جناب حاکم علی زرداری (پی پی پی) تین ایم پی اے جناب ظفر علی شاہ (آزاد) جناب امداد علی شاہ (پی پی پی) اور جناب غلام مجتبےٰ خان جتوئی منتخب ہوئے تھے۔ ان میں سے حاکم علی زرداری کا تا حال کوئی پتہ نہیں ہے۔ وہ متاثرین کی امداد اور دل جوئی کے لئے آج تک اپنے علاقہ میں نہیں پہنچے۔ ان کے حلقۂ انتخاب کے لوگ اعلانیہ کہتے پھر رہے ہیں کہ ان کے ساتھ فریب کیا گیا، دھوکہ دیا گیا ایک ایسے آدمی کو منتخب کیا گیا جس نے اس کٹھن وقت میں اپنے عوام کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ادھر حاکم علی زرداری کا یہ عالم ہے، اُدھر غلام مصطفےٰ جتوئی اور غلام مجتبیٰ جتوئی دن رات اپنے لوگوں کے ساتھ بندوں کی مرمت اور حفاظتی انتظامات میں مصروف ہیں۔ اپنی نگرانی میں سارا کام کروا رہے ہیں۔ سیّد ظفر علی شاہ کا کہنا ہے کہ عوام ان کی فرض شناسی کی تعریف کر رہے ہیں۔ ظفر علی شاہ ایم پی اے بھی خود بند کا معائنہ کرتے ہیں اور بند پر کام کرنے والوں کی نگرانی کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ انہیں خود کھانا کھلاتے ہیں۔ ظفر علی شاہ افسر یا کسی دوسرے شخص کو دخل اندازی کا موقع اس لئے نہیں دیتے کہ ان علاقوں میں اس قسم کی افواہیں عام گشت کر رہی ہیں کہ محکمہ انہار کے ذمہ دار افسر، ریونیو کے افسروں سے ساز باز کر کے حفاظتی بندوں میں شگاف ڈلواتے ہیں۔ ظفر علی شاہ کی نگرانی میں تقریباً ۳۰ میل لمبے بند میں ابھی تک کسی جگہ پر بھی شگاف نہیں ہوا۔ اس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ بندوں میں شگاف ڈالنے کے واقعات میں افسر شاہی کا خاصہ بڑا ہاتھ ہے۔ اس سلسلے میں محکمہ آبپاشی کے ایک ذمہ دار افسر شیخ عبدالرشید کا نام بھی لیا جاتا ہے۔

قصبہ مورو، نواب شاہ کا دوسرا بڑا شہر ہے۔ اس علاقہ کو سیلاب سے بچانے کے لئے حفاظتی بند میں بڑی مقدار میں مٹی ڈالنا ضروری ہو گیا تھا۔ غلام مجتبےٰ جتوئی ایم پی اے نے محکمہ آبپاشی سے چند بلڈوزر حاصل کئے، لیکن افسران نے

بلڈوزر دینے سے انکار کر دیا، اور اس کے بجائے بچاؤ بند کی جانب تین بلڈوزر روانہ کر دیئے گئے، جہاں سیلابی پانی کا بڑا زور تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تینوں بلڈوزر وہیں پھنس کر رہ گئے۔ تاحال وہ زیرِ آب ہیں۔ دریں اثناء چار بلڈوزر جو سکھر سے حیدرآباد آفتاب احمد کی سرکردگی میں جا رہے تھے روک دیئے گئے۔ اور ان سے قصبہ ڈیبارجہ سے ریلوے لائن تک نئے بند بنانے کا کام لیا گیا۔ اس طرح سینکڑوں چھوٹے چھوٹے دیہات بچا لیئے گئے۔

ایک طالب رہنما مسٹر عمر حیات بچل نے نمائندہ مشرق کو بتایا کہ سپرنٹنڈنٹ انجینئر عبدالرشید اور ڈپٹی کمشنر نوابشاہ مقصود احمد شیخ مٹھانی بند پر آئے۔ ڈپٹی کمشنر مقصود احمد نے عبدالرشید کے مشورے پر سید بچل شاہ کے قصبے کے بند میں شگاف کرا دیا۔ یہ جگہ مٹھانی شہر سے بالکل قریب ہے۔ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ سیلاب کا پانی بچاؤ بند کو تیزی سے کاٹنے لگا۔ اور شہر مٹھانی جس کی آبادی دس ہزار افراد کے لگ بھگ ہے، خطرہ میں گھر گیا۔ طالب علم رہنما محمد حیات کا بیان ہے کہ اگر کامریڈ ملک محمد یعقوب ملاح محمد صالح، شیر خان مستوئی اور ان کے ساتھی بروقت مدد نہ کرتے تو مٹھانی شہر غرق ہو جاتا۔

گرد و نواح سے سیلاب زدگان کی ایک بڑی تعداد جان بچا کر مٹھانی پہنچی ہے۔ متاثرین فاقہ کر رہے تھے۔ ان کی حالت سخت قابلِ رحم تھی۔ جب ان کی امداد کے لیے نوشہرو فیروز کے مختار کار عبداللہ خان بھٹی سے رابطہ قائم کیا گیا تو انہوں نے متاثرین کی امداد سے صاف انکار کر دیا۔ اور جواب دیا کہ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ جبکہ وہ خود اس وقت مرغ اور پلاؤ کھا رہے تھے جس کی تصویر نمائندہ الفتح نے اپنے ریکارڈ میں محفوظ کر لی ہے۔

طالب علم رہنما محمد حیات نے بتایا کہ یہ حالات دیکھ کر مجبوراً سندھ پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن نے دیگر کارکنوں کے ساتھ مل کر نوشہرو فیروز کے عوام سے تقریباً آٹھ سو روپیہ اکٹھا کیا۔ جس میں سے تین سو روپے وزیراعظم کے ریلیف فنڈ میں دیدیئے گئے۔ اور باقی رقم کا سامان خرید کر مصیبت زدہ لوگوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس کے برعکس پیپلز پارٹی کے کارکن قائم الدین پیرزادہ اور نذیر میمن نے ۱۷۴ روپے چندہ جمع کیا۔ لیکن اس رقم کا آج تک پتا نہیں چل سکا۔ پیپلز پارٹی کے دوسرے کارکنوں کا کہنا ہے کہ جب سے یہ بات ہوئی ہے، قائم الدین پیرزادہ اور نذیر میمن نے گھر سے نکلنا بند کر دیا ہے۔



لوگ بھوکے تھے

اور مختار کار

مرغ پلاؤ

اُڑا رہا تھا

مٹھانی کے باشندوں نے نمائندہ الفتح کو بتایا کہ پیپلز پارٹی نوشہرو فیروز کے دو عہدیدار لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اعلان کرتے پھر رہے تھے کہ پانی کا دباؤ بڑھ گیا ہے۔ اس اعلان سے شہر میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ جب قائم الدین پیرزادہ سے رابطہ قائم کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ اس طرح زیادہ سے زیادہ لوگ بند پر کام کرنے آئیں گے۔ قصہ مختصر یہ کہ نوشہرو فیروز میں پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے کوئی عمل اور مثبت کام نہیں کیا، جس سے عوام میں شدید مایوسی پھیلی۔

نوشہرو فیروز میں ایک عدد امدادی کیمپ کھولا گیا ہے اس میں محکمہ صحت کی جانب سے ودیونٹ افسر کلب" اور گورنمنٹ ہائی اسکول میں قائم کیے گئے ہیں۔ نمائندہ الفتح نے کیمپ کا معائنہ کیا۔ کراچی میونسپل کارپوریشن کی جانب سے ڈاکٹروں کی ایک پارٹی سیلاب زدگان کو ٹیکہ لگانے کے کام پر مامور تھی۔ لیکن مقامی افسران کی جانب سے کوئی تعاون نہیں کیا گیا، جس سے ڈاکٹر انتہائی بددل نظر آتے ہیں۔ اور وہ اپنا بوریہ بستر گول کر کے کراچی جانے کے لیے تیار تھے۔ ڈاکٹروں کی ٹیم کے سربراہ ڈاکٹر کشن داس لاس نے بتایا کہ مقامی انتظامیہ نے ہمارے ساتھ بالکل تعاون نہیں کیا۔ کراچی میں بتایا گیا تھا کہ ان کی ٹیم کو صرف پانچ روز کے لیے سکرنڈ بھیجا جا رہا ہے۔ اس کے بعد دوسری پارٹی کام سنبھال لے گی۔ سکرنڈ کے حکام نے ان سے مکمل تعاون کیا۔ لیکن مورو اور نوشہرو فیروز میں بالکل تعاون نہیں کیا گیا۔ انہوں نے بتایا کہ جب وہ واپس جانے کے لئے کہتے ہیں تو انہیں ملازمت سے علیحدہ کرانے کی دھمکی دی جاتی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ اور ان کے دوسرے ڈاکٹر جس ہوٹل میں مقیم ہیں فی کس ۷ روپیہ سے لے کر ۹ روپے تک وصول کئے جاتے ہیں۔ کھانا انتہائی ناقص اور گندہ دیا جاتا ہے۔ انہوں نے نوشہرو فیروز کے میڈیکل افسر کرم چند کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے حتی الامکان ان سے تعاون کیا۔

ہائی اسکول کے مختلف کمروں میں سیلاب زدہ لوگ مقیم ہیں۔ اس کیمپ کی نگرانی کا کام دو سپروائزر ٹیچر اور محمد علی

باقی صفحہ ۳۰ پر

ORIGINAL ON STAMP PAPER OF Rs.00/00.

THIS DEED made this 8th day of August, one thousand nine hundred and seventy two BETWEEN M.A.Quddus Quraishi(hereinafter called "the Borrower") of the one part and the State Bank of Pakistan (hereinafter called the Bank") of the other part.

WHEREAS the Borrower has applied for and has been granted an advance of Rs.16,000/00 to purchase a Motor Car on the terms contained in Appendix 'A' of Establishment Manual governing the procedure for the grant of advances to Officers for the purchase of Motor Car (hereinafter referred to as "the said Chapter" which expression shall include any amendment thereof or addition thereto for the time being in force) AND WHEREAS one of the conditions upon which the said advance has been granted to the Borrower is that the Borrower will hypothecate the said Motor Car to the Bank as security for the amount lent to the Borrower AND WHEREAS the Borrower has purchased witht or partly with the amount so advanced as aforesaid the Motor Car particulars whereof are set out in the Schedule hereunder written.

IN WITNESS whereof the said Mr.M.A.Quddus Quraishi(Borrower) hath hereunto set his hand the day and year first above written.

THE SCHEDULE.

Description of Motor Car.

Registration No.	LHS 9760.
Make's Name. :	M/S.SUMITOMO SHOJI KAISHA LTD. TOKYO.
Description & Model.	"Mazda" 616 Sedan Model SNA-B 1972.
No. of Cylinders.	4
Engine Number.	NAC-40098
Chassis No.	74304
Price .	£.595/- plus Rs.8,500/00 paid on a/c duty etc.

SIGNED BY THE BORROWER

DEPUTY DIRECTOR(ECD)
STATE BANK OF PAKISTAN, LAHORE.

In the presence of

(i) (Noor Muhammad)
Exchange Control Officer,
State Bank of Pakistan, Lahore.

ii) (M. M. Dugal)
Exchange Control Officer,
State Bank of Pakistan,
Lahore.

پردہ چاک

اسٹیٹ بنک کا افسر
تربیت کے بہانے لندن
میں گلچھڑے اڑاتا رہا

انیس احمد

نئی کار کو سیکنڈ ہینڈ کار بتا کر بینک سے 16 ہزار روپے کا قرض لے لیا

ہمارا ملک ان دنوں ایک عظیم تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے۔ ایک طرف سیلاب کی تباہ کاریاں ہیں، دوسری جانب دگرگوں اقتصادی حالات ہیں۔ مہنگائی آسمان تک پہنچ چکی ہے۔ اشیائے صرف کی قیمتوں میں ناقابلِ برداشت اضافہ ہو چکا ہے۔ عوام چیخ چلا رہے ہیں، لیکن حکومت اور نوکر شاہی اپنے دھندوں میں مصروف ہے۔ ایسے وقت میں نوکر شاہی کو کم از کم ایمانداری سے کام لینا چاہیئے تھا لیکن اس نے بھی سرمایہ داروں اور جاگیرداروں سے گٹھ جوڑ کر کے اپنی بدعنوانیوں کا سلسلہ جاری رکھا۔

اسٹیٹ بینک آف پاکستان، قومی معیشت کے استحکام میں ایک اہم فریضہ انجام دیتا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ایسی نازک گھڑی میں جبکہ بینک کو پاکستان کی بگڑی ہوئی معیشت کو دوبارہ سنبھالنے کا قومی فریضہ ادا کرنا چاہیئے۔ اس ادارے کے بعض افسران سنگین نوعیت کی بدعنوانیوں میں ملوث ہیں۔

گو بات کچھ پرانی ہے پھر بھی ان واقعات کی نشاندہی سے قومی اداروں میں چھپی ہوئی کالی بھیڑوں کا سراغ ملتا ہے جو موقع ملتے ہی ملک و قوم کو نقصان پہنچانے کی بھرپور کوششیں کرتی ہیں۔ قوم کے دامن میں کانٹے اور اپنے دامن کو موتیوں سے بھر لیتی ہیں۔ یہ اپریل ۱۹۷۱ء کا زمانہ تھا ان دنوں مشرقی پاکستان کی صورتِ حال انتہائی مخدوش تھی۔ فوجی کارروائی جاری تھی۔ پورے ملک کی صنعتی سرگرمیاں سرد پڑی تھیں۔ ملک زرِ مبادلہ کی زبردست قلت کا شکار تھا۔ غیر ملکی کرنسی کی صورت میں ایک ایک پیسہ خون کے قطرے سے زیادہ قیمتی تھا۔ حکومت نے زرمبادلہ کی قلت کے پیشِ نظر ضروری دواؤں کی درآمد پر بھی پابندی لگا رکھی تھی۔ ایسے نازک حالات میں اسٹیٹ بنک کے ایک اعلیٰ افسر کو ٹریننگ کے نام پر لندن بھیجا گیا۔ اور زرِ مبادلہ کی ایک کثیر رقم دیکر اس کی عیاشیوں کا اہتمام کیا گیا۔

اس واقعہ کی تفصیلات کے مطابق اسٹیٹ بنک لاہور کے فارن ایکس چینج کے شعبے کے ایک اعلیٰ افسر قدوس قریشی کو تربیت کے بہانے لندن جانے کی اجازت دے دی گئی۔ چونکہ اس افسر کا تعلق اسٹیٹ بینک کے زرمبادلہ کے شعبے سے تھا، اس لئے اندرونِ ملک بعض بدنام کاروباری پارٹیوں "اللہ وسایا ٹیکسٹائل ملز اور جی ٹی سرجیکل سیالکوٹ" نے لندن میں اپنے جمع شدہ زرِ مبادلہ کے ذخائر کا منہ اس پر کھول دیا۔ اس افسر نے لندن میں ان کاروباری

وہ اپنے ساتھ ایک کار اور دس ہزار روپے کے تحائف لایا

پارٹیوں کی دولت سے خوب گلچھرے اڑائے۔ جی بھر کے شاپنگ کی۔ اور ایک غیر ملکی کار مزدا ۱۹۷۲ کی بھی خریداری کی۔ واضح رہے کہ حکومتِ پاکستان نے زرِ مبادلہ کی قلت کے سبب غیر ملکی کاروں کی پاکستان میں درآمد ممنوع قرار دے دی تھی۔ اس کے باوجود اس افسر نے اپنے لئے غیر ملکی کار خریدی۔

لندن میں پکنک کا لطف اٹھا کر مذکورہ افسر اگست ۱۹۷۱ء میں کراچی پہنچا۔ وہ اپنے سے بڑے افسروں کو خوش کرنے کے لئے تقریباً دس ہزار روپے کے ممنوع تحائف لیکر آیا۔ اس سامان میں ایسی ایسی قیمتی چیزیں تھیں جن کا تصور پاکستان کا ایک عام شہری نہیں کر سکتا۔ جب وہ سامان لے کر کراچی میں وارد ہوا تو کسٹم والوں نے اسے ضبط کر لیا۔ اس نے بڑی بھاگ دوڑ کی۔ کسٹم کے اعلیٰ افسران سے رابطہ قائم کیا۔ اپنا اثر و رسوخ استعمال کیا، مگر ان دنوں ملکی حالات کے پیشِ نظر کسٹم والے بھی پگھلنے کے لئے تیار نہ تھے۔ جب اس نے دیکھا کہ اس طرح کام نہیں نکلے گا تو وہ سرکاری ڈیوٹی کا بہانہ بنا کر اسلام آباد پہنچ گیا۔ وہاں جیسے اس کے ہاتھوں میں جادو کا ڈنڈا آ گیا۔ کسٹم والوں نے ضبط شدہ سامان بحال کر دیا۔ اور وہ اپنا سامان لیکر لاہور روانہ ہو گیا۔

مزدا کار ۷۲، نیشنل شپنگ کمپنی کے جہاز کے ذریعہ کراچی پہنچی۔ اسٹیٹ بینک کے افسر قدوس کی کمپنی کے ایک افسر جنجوعہ سے گہرے مراسم تھے۔ چنانچہ اس نے مبینہ طور پر جہاز کا کرایہ معاف کرا دیا۔ اس طرح ایک کار کے سفری اخراجات کو معاف کرا کے حکومت کو ہزاروں روپے کا نقصان پہنچایا گیا۔

اگست ۷۱ء کو جب قدوس اسٹیٹ بینک لاہور پہنچا تو اس نے لوگوں کو دھوکہ دینے اور بہکاوے کے لئے ۱۹ اگست ۱۹۷۱ء میں بینک کو درخواست دی کہ چونکہ وہ ایک سیکنڈ ہینڈ کار خریدنا چاہتا ہے، اس لئے اسے سولہ ہزار روپے کا ایڈوانس دیا جائے۔ بینک نے ۲۰ اگست کو قدوس کو کار کی خریداری کے لئے قرضہ دیا۔ بینک کے قواعد کے مطابق مذکورہ افسر کو ستمبر ۷۲ء تک کار کی خریداری کے کاغذات بینک میں جمع کرانے تھے۔ لیکن وہ مقررہ وقت پر بینک کے طلب کردہ کاغذات جمع کرانے میں ناکام رہا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس نے مزدا کار پاکستان میں ناجائز طور پر درآمد کی تھی۔ حکومت نے اپریل ۱۹۷۱ء میں زرِ مبادلہ کی قلت کے سبب غیر ملکی کاروں کی درآمد پر پابندی عائد کر رکھی تھی۔ لیکن اس افسر نے اس پابندی کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا اور لندن سے روانگی کے وقت اپنے ساتھ سرمایہ داروں کی جانب سے بخشے ہوئے تحفے کو ساتھ لایا۔ خدا معلوم اس تحفے کے عوض ملک کی بدنام کاروباری پارٹیاں اس سے کتنی اور کیسی کیسی سہولتیں حاصل کرتی ہوں گی۔ یہ بنیادی سبب تھا جس کے پیشِ نظر کنٹرولر درآمد و برآمد لاہور نے کار کا CLEARANCE دینے سے انکار کر دیا۔ محکمہ کی جانب سے بنیادی اعتراض کیا گیا کہ "جب غیر ملکی کاروں کی درآمد پر پابندی عائد ہے تو پھر مسٹر قدوس نے کس طرح کار درآمد کی۔ چونکہ حکومت کی جانب سے اس پر پابندی عائد کر دی گئی ہے، اس لئے مزدا کار کی واگزاری کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔"

محکمہ امپورٹ اینڈ ایکسپورٹ لاہور نے اپنا فرض پورا کیا، لیکن آگے دیکھئے کہ حکومت کے کل پرزے کس طرح خود ہی اپنے بنائے ہوئے قوانین اور پابندیوں کو توڑتے ہیں۔

اسلام آباد کے با اثر افراد نے اس کی بدعنوانیوں پر پردہ ڈال دیا

مسٹر قدوس نے جب دیکھا کہ یہاں دال نہیں گلے گی تو وہ دوبارہ اسلام آباد پہنچا اور وہاں سے کار کا کلیرنس حاصل کر کے ایل۔ ایچ ۔ ۹۷۶۰ نمبر سے کار کا رجسٹریشن کرا لیا۔ اور ۸ اگست ۱۹۷۲ء کو مندرجہ بالا نمبر کی کار بینک کے سولہ ہزار روپے کے عوض گروی رکھ دی۔ یہ ساری غیر قانونی کارروائی بینک کے اعلیٰ احکام کی آنکھوں کے سامنے ہوتی رہی، مگر مذکورہ افسر کے خلاف دھوکہ دہی اور کار کی ناجائز درآمد کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

مذکورہ افسر کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ اس کے ذاتی اثاثے لاکھوں روپے تک بنتے ہیں۔ اس کا ایک لڑکا امریکہ میں زیرِ تعلیم ہے جس کا ماہانہ خرچ دو ہزار روپے سے بھی زیادہ ہے۔ جبکہ مذکورہ افسر کی تنخواہ کل کٹوتی کے بعد ۹۰۰ روپے بنتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مذکورہ افسر ناظم آباد کراچی میں ۱۵۰۰ مربع گز کی ایک عظیم الشان کوٹھی کا مالک ہے، جس کی مالیت تقریباً ڈھائی لاکھ روپے بتائی جاتی ہے۔ بینک کے ایک افسر کے پاس اتنی دولت کہاں سے آ گئی؟ کیا اسے قارون کا خفیہ خزانہ ہاتھ لگ گیا؟

بدعنوانی کی یہ داستان اسٹیٹ بینک کے صرف ایک شخص تک محدود نہیں ہے بلکہ اس طرح نجانے کتنے افسران متعدد محکموں میں عوام کی گاڑھے پسینے کی کمائی پر نقد اور جائداد کی صورت میں اپنی راجدھانی کو وسعت دینے میں دن رات مصروف ہیں۔ ایسے افسران ملک و قوم کی پیشانی پر بدنما داغ ہیں۔ انہیں اس سے کوئی سروکار نہیں کہ ملک پر کیسا وقت آن پڑا ہے، ان کی قومی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ انہیں یہ بھی معلوم نہیں اور وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ جس بلند مرتبے پر فائز ہیں، اس کے ذریعہ انہیں عوام اور ملک کی خدمت کرنی چاہیئے۔ انہیں تو صرف کار، کوٹھی اور بنک بیلنس سے دلچسپی ہوتی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس وقت بھی جبکہ پورا ملک جنگ اور سیلاب کی تباہ کاریوں سے نمٹنے میں مصروف ہے، سرکاری اور نیم سرکاری محکموں میں راشی اور بدعنوان افسران اسٹیٹ بینک کے مذکورہ افسر کی طرح بدعنوانیوں میں مصروف ہوں گے۔ کاش بدعنوانی کا یہ پورا ڈھانچہ یک لخت زمین بوس ہو جائے۔



بدعنوانیوں کا شکار ہونیوالوں کی داستان

جاگیردار کے ڈیڑھ سو

مسلح کارندوں نے تین گاؤں کا محاصرہ کرلیا

نمائندہ الفتح

اِن دنوں سندھ کے ہاری دوطرفہ مار سہہ رہے ہیں۔ ایک طرف قدرتی سیلاب کی لہریں ان کی مال ومتاع نگل رہی ہیں۔ دوسری جانب عوام دشمن جاگیرداروں اور وڈیروں نے ظلم وتشدد کا سیلاب بپا رکھا ہے۔ ہاری اور مظلوم عوام ان دونوں سیلابوں کے درمیان پھنس کر رہ گئے ہیں۔ وہ موت اور زندگی کی درمیانی کیفیت سے دوچار ہیں۔ وہ اُمید بھری نظروں سے ان کی جانب دیکھتے ہیں جنہوں نے اپنے اقتدار کے حصول کے لئے انہیں آزمائش میں ڈال دیا تھا لیکن وہ ان مظلوموں کو گرداب فنا سے نکالنے کی بجائے انکی جانب اپنی پیٹھ کرکے کھڑے ہوگئے ہیں۔

تحصیل ٹنڈوالہ یار کے گاؤں چمبڑ کے کامریڈ محمد صدیقی نے جو پہلے پیپلز پارٹی کے پُرجوش کارکنوں میں سے تھے بتایا۔ "زمیندار غلام رسول جونیجو کے تقریباً ڈیڑھ سو مسلح کارندوں نے تین گاؤں کی ناکہ بندی کردی اور جس آدمی نے گاؤں سے باہر نکلنے کی کوشش کی، اس کی اتنی مرمت کی گئی کہ وہ چارپائی سے لگ گیا۔ زمیندار نے ہاریوں سے بدلہ لینے کے لئے معاشی ناکہ بندی کی تھی۔ مویشیوں کے لئے چارہ لانے پر بھی پابندی عائد تھی۔ صاف وشفاف کنوئیں میں زہریلی دوائیں ملادی گئیں۔ یہ محاصرہ ایک ہفتہ تک قائم رہا جس کا مقصد چمبڑ کے تین دیہات کے ہاریوں کو اقتصادی بدحالی کا شکار بناکر جاگیردار کے سامنے ان کا سر خم کرنا تھا۔ اس ظلم کے خلاف کسی نے آواز بلند نہیں کی۔ عوامی نمائندے خاموشی سے تماشہ دیکھتے رہے۔ تعلقہ کے ایم۔پی۔اے نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "وہ بہت بڑا آدمی ہے۔ اس کی رسائی بہت دور تک ہے، ہم کچھ نہیں کرسکتے۔"

کامریڈ محمد صدیقی نے اس لرزہ خیز واقعہ کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے کہا۔ "ضلع حیدرآباد، تحصیل ٹنڈوالہ یار تعلقہ چمبڑ کے زمیندار نصیر خان مدوانی کی زمین پر بے شمار ہاری کام کرتے تھے۔ زمیندار ان ہاریوں کو بیدخل کرنا چاہتا تھا۔ جب وہ خود اس کام کو انجام نہ دے سکا تو اس نے ضلع سانگھڑ کے ایک زمیندار غلام رسول جونیجو کو ٹھیکہ پر اس شرط کے ساتھ زمین دیدی کہ وہ ان ہاریوں کو بے دخل کردے گا۔ اس زمیندار کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ اس کی سرکاری حلقوں میں بہت دور تک پہنچ ہے۔ سیاسی اثرورسوخ کے ذریعہ وہ بڑے سے بڑا کام کرجاتا ہے۔ اور کوئی شخص اس کا بال بیکا نہیں کرسکتا۔

مذکورہ اراضی پر کاشت کرنے والے ہاریوں کی مجموعی تعداد ۲۶ ہے۔ ٹھیکہ پر زمین لینے کے بعد نئے آقا غلام رسول جونیجو نے ان ہاریوں کو بلوایا۔ اور اپنے گھر کی چوکھٹ پر انہیں ڈانٹ کر کہا۔ "۲۴ گھنٹوں کے اندر اندر زمین خالی کردو، اگر تم لوگوں نے حکم عدولی کی تو مار مار کر کھال اُتار دوں گا۔ میں نصیر خان مدوانی نہیں، غلام رسول جونیجو ہوں۔ سمجھ گئے۔"

ہاریوں کو زمین کے نئے آقا کا لب ولہجہ اور باتیں ناگوار گزریں۔ پھر بھی انہوں نے مودب ہوکر سوال کیا۔ "حضور غلاموں سے ایسی کون سی خطا سرزد ہوگئی جس کی اتنی کڑی سزا دی جارہی ہے۔ بیدخلی کی صورت میں ہم تباہ وبرباد ہوجائیں گے۔ ہمارے چھوٹے چھوٹے بچے بھوک سے بلک بلک کر مرنے لگیں گے۔ ہم اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کہاں جائیں گے۔ سرکار آپ ہی لوگ ہمارے مائی باپ ہیں، اگر آپ لوگوں نے ہم پر روزی کا دروازہ بند کردیا تو پھر ہم کیسے زندہ رہیں گے۔"

سنگدل زمیندار نے ہاریوں کی گڑگڑاہٹ اور درخواستوں کا کوئی اثر نہ لیا۔ اس نے ان کے جھکے ہوئے سروں کو اور جھکاتے ہوئے بڑی رعونت سے کہا۔ "میرا دماغ مت چاٹو۔ میرا فیصلہ اٹل ہے۔ جاؤ اور زمین خالی کرنے کی تیاری کرو۔ اگر تم لوگوں نے بہانے بازی سے کام لیا تو اچھی طرح سوچ لو، میرا نام غلام رسول جونیجو ہے۔ میں تم جیسے ہاریوں سے نمٹنا خوب جانتا ہوں۔ تاخیر کسی قیمت پر

چمبڑ کے ۲۶ ہاریوں کو جبراً بیدخل کردیا گیا

تھانیدار نے ہاتھ جوڑ کر کہا :-

"مجھے بیچ میں مت ڈالو، پس جاؤں گا"

برداشت نہیں کی جائے گی۔"

ہاری زمیندار کی ڈیوڑھی سے جب باہر نکلے تو ان کا سر بلند تھا۔ ان کی کمر میں کوئی خم نہ تھا۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ عاجزی اور انکساری سے کام نہیں چلے گا۔ کیونکہ عاجزی اور اپیلیں پتھر پر اثر نہیں کرتیں۔ اگر ایسے جاگیرداروں اور زمینداروں کے دلوں میں انسانی ہمدردی پیدا ہونے لگی تو پھر وہ ان کا سارا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جائے گا۔ انہوں نے آپس میں مل کر یہ فیصلہ کیا کہ وہ بیدخلی کے احکامات قبول نہیں کرینگے۔ چاہے کچھ ہو جائے۔ حکومت بھی بیدخلی کو خلافِ قانون قرار دے چکی ہے۔ اور ایسے زمینداروں کے خلاف کارروائی کرنے کا اعلان بھی کیا گیا ہے۔ آخر ان زمینداروں کو کہاں سے اختیار مل گیا کہ وہ اپنی مرضی سے ہاریوں کو بیدخل کر دیں۔ انہوں نے مشورہ کیا کہ اگر زمیندار کی ہٹ دھرمی کے سامنے انہوں نے اپنا سر جھکا دیا تو پھر بیدخلیوں کا طویل سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ اس طرح سینکڑوں خاندان آبرومندانہ زندگی گزارنے کی بجائے در در کی بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

وہ ایک بار پھر زمیندار غلام رسول جونیجو کی ڈیوڑھی میں داخل ہوئے اور اپنی روایتی انکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے زمیندار سے بیدخلی کے نوٹس پر نظرثانی کرنے کی اپیل کی، جس کے جواب میں جاگیردار نے ان کی جانب خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "بات دو ٹوک کرو۔ تم لوگ میرے حکم پر عمل کرو گے یا نہیں"؟ غصہ سے اس کا چہرہ چقندر کی طرح سرخ ہو گیا تھا۔ ہاریوں نے سمجھ لیا کہ زمیندار اپنے فیصلے پر نظرثانی کے لئے تیار نہیں ہے۔ وہ ہر قیمت پر انہیں بیدخل کرنے پر تُلا بیٹھا ہے۔ ہاریوں کے سامنے صرف دو راستے تھے۔ زمیندار کا فیصلہ بلاچوں چراں قبول کر لیتے یا انکار کر کے حالات کا مقابلہ کرتے۔ انہوں نے زمیندار کو فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔ "چاہے کچھ ہو جائے ہم زمین خالی نہیں کریں گے۔" یہ جواب سن کر زمیندار آگ بگولہ ہو گیا، مگر مصلحتاً اس وقت خاموش رہا۔

دوسرے دن زمیندار سانگھڑ چلا گیا شاہ پور جا کر کے تھانیدار سے مل کر ۲۶ ہاریوں کے خلاف زمیندار کے ایک ہاری کے اغوا اور اس کے دو بیلوں کی چوری کا مقدمہ بنوایا۔ اور پولیس کا ایک جتھا لے کر ٹنڈو والہ یار پہنچ گیا۔ ایک ہاری اپنے کھیت میں ہل چلا رہا تھا۔ زمیندار اسے دیکھ کر چلایا۔ "پکڑ لو، باندھ لو، یہ ملزموں میں سے ایک ہے۔" پولیس والے اسے اور اس کے بیلوں کو باندھ کر ساتھ لے گئے۔

کامریڈ محمد صدیقی اور ان کے ساتھیوں کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ فوراً زمیندار غلام رسول جونیجو کے پاس پہنچے اور اس سے کہا۔ "بھائی تم ان غریب ہاریوں پر اتنا ظلم کیوں کرتے ہو، آخر وہ بھی تمہاری طرح انسان ہیں، گوشت پوست کے انسان۔ تم سے زیادہ مسائل میں اُلجھے ہوئے ہیں۔ غریب اور مظلوم ہیں۔ ان کی حالت پر ترس کھاؤ، ہاری اور اسکے بیلوں کو چھوڑ دو۔"

زمیندار نے قہقہہ بلند کرتے ہوئے جواب دیا۔ "بابا تم لوگ کامریڈ ہو، بھٹو تک پہنچ جاتے ہو۔ جاؤ ان سے کہو، اگر وہ حکم دیں گے تو ہم تمہارے ہاری اور اس کے بیلوں کو چھوڑ دیں گے۔ بس چھٹی کرو اب میں آرام کروں گا۔" کامریڈ محمد صدیقی اور ان کے ساتھی زمیندار کے اس جواب سے

ایم پی اے نے جواب دیا

"میں کچھ نہیں کر سکتا

وہ بڑا آدمی ہے"

خاصے مایوس ہوئے۔ اور بے نیل و مرام واپس ہوئے۔ اُدھر زمیندار نے اپنے منصوبے کے دوسرے حصے پر عمل شروع کر دیا۔ دوسرے دن صبح کو زمیندار کے تقریباً ڈیڑھ سو کارندے مہلک ہتھیاروں سے لیس ہو کر پہنچے اور تین دیہات بلڈو باگرانی، ظہور محمد خان اور سود و ماچھی کے گرد گھیرا ڈال کر آمد و رفت کے سارے راستے بند کر دیئے۔ یہ دراصل گاؤں والوں کی اقتصادی ناکہ بندی تھی۔ کامریڈ محمد صدیقی کے مطابق بعض کنوؤں میں زہریلی دوائیں ملا دی گئیں تاکہ گاؤں والے پینے کا پانی حاصل نہ کر سکیں۔ ایک ہاری اپنے بیلوں کے لئے چارہ لینے گیا تو اس سے چارہ چھین لیا گیا اور اسے مار مار کر ادھ موا کر دیا۔ زمیندار کے آدمیوں نے کھانے پینے کی چیزوں پر بھی پابندی عائد کر دی۔ گاؤں کا کوئی آدمی نہ باہر نکل سکتا نہ اندر داخل ہو سکتا تھا۔ ہاریوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے متواتر کئی گھنٹوں تک ہوائی فائرنگ بھی کی گئی۔

کامریڈ محمد صدیقی اور اس کے ساتھیوں نے تعلقہ کے ایم پی اے سید بھودل شاہ کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ انہوں نے اس معاملہ میں اپنے آپ کو ڈالنے سے انکار کرتے ہوئے کہا۔ "میں کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ بڑا آدمی ہے، پہنچ والا ہے۔ قائم علی شاہ کے پاس جائیں۔ مخدوم زماں تک رسائی حاصل کریں، وہی لوگ کچھ کر سکتے ہیں۔"

گاؤں والوں کے ہمدردوں نے تعلقہ کے انسپکٹر سے مداخلت کی درخواست کی، تو اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔ "بھائیو! میں تو بہت چھوٹا آدمی ہوں۔ درمیان ہی میں پس جاؤں گا۔ میں کوئی کارروائی نہیں کر سکتا۔"

کامریڈ محمد صدیقی نے بتایا کہ "اس دوران تو ہم بھاگ دوڑ کرتے رہے ادھر زمیندار کے آدمیوں نے تینوں دیہات کی ناکہ بندی کر کے حالات کو انتہائی خراب کر دیا۔ بھوک اور پیاس سے مجبور ہو کر اگر گاؤں کا کوئی آدمی باہر نکلتا تو اُسے لاٹھیوں اور ڈنڈوں سے بُری طرح زدوکوب کیا جاتا۔"

انہوں نے یہ بھی انکشاف کیا کہ زمیندار گاؤں والوں سے میری ہمدردی کے اظہار کو پسند نہیں کرتا اور وہ اب میرے خلاف بھی کوئی جھوٹا مقدمہ بنوا کر گرفتاری کی تیاری کر رہا ہے۔"

باقی صفحہ ۲۲ پر



ہم ایک موٹر خریدیں گے

جو صاحب موٹر میں سوار ہونا چاہیں وہ ہاتھ کھڑا کردیں

تحریر: احمد ندیم قاسمی

کہتے ہیں موٹر سازی کے کارخانوں میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، ہو رہا ہوگا۔ ہماری قسمت میں تو وہی کھڑکھڑاتے ہوئے پہیّوں والی بے ڈھنگی سی ٹمٹم ہی لکھی ہے جس پر سوار ہو کر انسان کی قوّتِ خودی اور غرورِ نفس کو کچھ اس طرح ٹھیس پہنچتی ہے کہ جی میں آتا ہے، ابھی جا کر موٹر میں سوار ہو جائیں۔ اور ٹریفک کے اصولوں سے بے پرواہ ہو کر شکرموں سے ٹکراتے، یکّوں کو ٹھکراتے، سائیکلوں کو کچلتے، مکانوں کو ڈھاتے، پیدل چلنے والوں کو پیستے ہوئے کہیں نکل جائیں۔ بہت دور، جہاں ٹمٹموں کا نشان تک نہ ملے۔ جہاں موٹر ہی موٹر ہوں۔ سُریلے ہارنوں والے، شیشے کے بنے موٹر۔ ٹمٹم پر بیٹھتے ہی اکثر اس قسم کے خیالات ہمارے دل میں آئے، اور کئی دفعہ ہم نے اِس خرِ دجّال پر بیٹھے ہوئے اپنے آپ کو موٹروں پر ہتر کتے ہوئے محسوس کیا۔ لیکن پہیئے کی اچانک چیخ یا ٹٹو کے اچانک بیٹھ جانے سے اکثر ہمارے یہ خواب مادی دنیا کے شور و شغب میں کھو جاتے ہیں! اور ہم کوچبان پر دانت پیسنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتے۔

لیکن ارادہ ہے کہ ہم ایک موٹر خریدیں گے۔ ایسا موٹر جس میں ڈرائیور کی سیٹ عام سطح سے ڈیڑھ گز اونچی ہوگی، تاکہ دنیا کو معلوم تو ہو سکے کہ مشین کے ناخدا کہاں تشریف فرما ہیں، ورنہ یوں تو ہرا ایرا غیرا مال روڈ پر اڑتا پھرتا ہے۔

موٹر خرید کر پہلے ہم اپنی اہلیہ محترمہ کو مبارک باد دیں گے ان کے لئے موٹر کی پچھلی سیٹ ریزرو کردی جائے گی، شاید اس طرح ان کی پیشانی کی شکنیں کم ہو جائیں گی اور ہمیں کھانا وقت پر مِل جایا کرے گا۔ مابعد شہر میں ڈھنڈورا پٹوایا جائے گا کہ آج جناب . . . . صاحب نے موٹر خرید لیا ہے۔ ہر شخص کو چاہیئے کہ وہ منٹ دو منٹ کے بعد اپنے اردگرد دیکھتا جائے۔ ورنہ اگر کوئی حادثہ ہو گیا تو صاحب موصوف اس کے ذمہ دار نہ ہوں گے۔ کیوں کہ مالک موٹر کو حق حاصل ہے کہ وہ کائنات کے جس حصّے میں چاہے موٹر چلائے۔

اس کے بعد پٹرول میں عرق گلاب اور روح کیوڑہ ملا کر انجن میں ڈالا جائے گا۔ موٹر کی پچھلی سیٹ پر بیگم کو ریشم کی رسّی سے باندھ کر بٹھایا جائے گا، کیونکہ رفتار کی تیزی یا کسی حادثہ سے ان کے باہر جا پڑنے کا خطرہ ہوگا۔ ہم خود چکّر تھام کر پیچ گھما دیں گے۔ اور موٹر کا پنجر چیختا ہوا آگے بڑھے گا۔ آخر یہ خاموش خاموش شرمیلے شرمیلے انجنوں والے موٹر کس کام کے ہیں، چپکے سے کھسک جاتے ہیں اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی۔ کہ کوئی صاحب ادھر سے موٹر پر سوار نکل گئے۔ ہمارا موٹر چیختا چلاتا، دھاڑتا اور پھنکارتا ہوا چلے گا۔ سڑک پر یقیناً تماشائیوں اور اہلِ ذوق حضرات کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جائیں گے۔ ہم ہر ایک سے سلام لیتے جائیں گے۔ مسکرا مسکرا کر، جھک جھک کر، ہارن بجا بجا کر، اور پھر کسی پینٹر کی دکان پر جا کر رک جائیں گے۔ اور وہاں سے اس مضمون کے دو تختے بنوا کر موٹر کے آگے پیچھے لٹکا دیں گے

"جو صاحب موٹر میں سوار ہونا چاہیں وہ ہاتھ کھڑا کردیں۔"

اس طرح سیاسی دنیا کی عظیم الشان تحریک سوشلزم کا پرچار بھی ہوتا رہے گا۔ اور آنے والی نسلیں بھی ہمیں عزّت و احترام کی نظروں سے دیکھا کریں گی۔

جہاں "کیپ لیفٹ" (بائیں جانب رہو) لکھا ہوگا۔ وہاں ہم موٹر کو دائیں طرف سے لے جائیں گے۔ جہاں "موٹرز دس وے" لکھا ہوگا وہاں "ویٹ وے" لے جائیں گے۔ جہاں "نو پارکنگ ہیئر" کا تختہ لٹک رہا ہوگا۔ وہیں موٹر کھڑا کریں گے آخر دو آنے کی لکڑی کے ایک معمولی سے تختے کے دو الفاظ سے ڈر کر ہمارا چار ہزار روپے والا موٹر کیسے رک سکے گا۔؟ جہاں پانچ میل رفتار کا حکم ہوگا وہاں پچاس میل پر چھوڑ دیں گے، جہاں "آہستہ چلاؤ" کا حکم ہوگا وہاں ساٹھ، ستّر، اسّی میل فی گھنٹہ کی رفتار پر چلائیں گے۔ اوّل تو انشاءاللہ ہم اسے الٹنے ہی نہ دیں گے اور اگر الٹ بھی گیا تو پھر سیدھا ہو سکتا ہے۔

یہ بات آج تک ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ کہ موٹر گیرج میں کیوں رکھے جاتے ہیں۔ کیا ان کے مالکوں کو ان کی یاد نہیں ستاتی؟ ہم تو موٹر کو اپنے پاس سے ایک پل کے لئے بھی جدا کرنا گوارا نہ کر سکیں گے۔ کھاٹ کو اس کے انجن سے باندھ کر سو رہیں گے، ورنہ اس کے اندر ہی پڑ رہنے میں کیا حرج ہے۔

جو لوگ آج کل ہمیں ایک نظر دیکھنا بھی گوارا نہیں کر سکتے ہماری راہ میں آنکھیں بچھائیں گے، ہمارے موٹر کو شہر کے دیگر موٹروں میں ایک امتیاز خصوصی حاصل ہوگا۔ اور اس طرح ہم جدھر جائیں گے ہمارے لئے راستہ صاف ہوگا۔ ٹریفک کے اصول ہماری مرضی کے تابع ہوں گے۔ قوّت دنیا کی سب سے بڑی حکمران ہے۔ کیا آپ نے وہ واقعہ نہیں سنا، ایک دفعہ ایک مسافر ایک جنگل سے گزر رہا تھا کہ سامنے سے ایک شیر آتا ہوا دکھائی دیا۔ آتے ہی کم بخت نے مسافر کی گردن دبوچ لی اور کہنے

لگا: "بتا شیر انڈے دیتا ہے یا بچّے دیتا ہے؟" مسافر جانتا تھا کہ ہز مجیسٹی کنگ آف جنگل اپنی قوّت کے بل بوتے پر اس کی معلومات کا امتحان لینے پر تُلے ہوئے ہیں۔ اس نے سوچا کہ اگر میرے منہ سے کوئی ایسا کلمہ نکل گیا جس سے بادشاہ سلامت کی بادشاہت کو ٹھیس پہنچی تو دم بھر میں انجر پنجر بکھر کر رہ جائے گا۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی "حضور شیر مرضی کا مالک ہے، کبھی انڈے دیتا ہے اور کبھی بچے دے دیتا ہے"۔ اور اس طرح اس کا چھٹکارا ہوا "موٹر خریدیں تو ہماری مثال اسی شیر کی سی ہوگی۔

موٹروں کا طوفان مہذب دنیا کی طرف سے ہم غیر مہذب کالے لوگوں کی طرف امڈا چلا آرہا ہے کہتے ہیں قیامت کے دن داورِ حشر کے سامنے ہر شخص اپنے اپنے موٹر میں سوار ہو کر حاضر ہوگا۔ اس طرح پروردگارِ دو جہاں کو لاتعداد گیرج بنوانے پڑیں گے جس نے "کُن" سے دو عالم کی تخلیق فرما دی۔ اس کے آگے دس بارہ کروڑ سنکھ گیرج بنانے میں کیا دیر لگے گی۔ لیکن بے چارے

پٹرول میں عرق گلاب اور روح کیوڑہ کی آمیزش

فرشتوں پر جو آفت آئے گی اس کا تصوّر کرتے ہی دماغ میں موٹر چلنے لگتے ہیں۔

آہ... موٹر... موٹر! اکثر چاندنی راتوں میں جب فضائے خموش میں ہر طرف قدرت کی دلفریب نیرنگیاں بے نقاب ہو کر رقص کرتی ہیں، جب کائنات سکون کے پردوں میں چھپ کر مستقبل کے خواب دیکھا کرتی ہے۔ جب چوراہوں سے ٹریفک کے سنتری چلے جاتے ہیں، جب مال روڈ پر اِکّے دُکّے موٹر لہراتے ہوئے سامنے سنہرے مدھم غباروں میں گم ہو جاتے ہیں۔ جب کسی تنگ گلی میں بے روزگار گریجوایٹ میونسپل کمیٹی کے لیمپ کی روشنی میں بیٹھ کر کسی بیمہ کمپنی کی ایجنٹی کے لئے درخواستیں لکھا کرتے ہیں۔ جب قدرت کے "افکار و حوادث" اور "مطائبات" کے نشہ یعنی کالجوں کے بر خود غلط نوجوان خواب میں کریموں اور پوڈروں کے سمندر میں غوطہ زن ہوتے ہیں، اس وقت اکثر ہم خیال ہی خیال میں موٹر میں سوار ہو جاتے ہیں۔ ہمارا موٹر زمین کو چھوئے بغیر تھرکتا ہوا محسوس ہوتا ہے، ہم چلے جاتے ہیں، دُور دھندلے افق کے پار۔ لا انتہا وسعتوں میں، اور پھر بوقلموں فضاؤں کو چیرتے تاروں کو چومتے، کہکشاں کی پکّی سڑک پر تیرنے لگتے ہیں، نورانی سنتری ہمیں آگے سے ہٹ ہٹ کر راستہ دیتے جاتے ہیں۔ کائنات سنہرا غبار بن کر ہمارے موٹر کے پہیّوں سے لپٹتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ ہم اڑتے جاتے ہیں، بڑھتے جاتے ہیں، اور آخر چاند کے مرمریں قرص سے ٹکرا جاتے ہیں۔! اور جب ہماری آنکھ کھلتی ہے تو بیگم ہمیں فرش پر سے اٹھا کر کھاٹ پر ڈالنے کی کوشش میں مصروف ہوتی ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں "ہمارے موٹر کو نقصان تو نہیں پہنچا۔؟" اور جواب ملتا ہے کہ "آج آٹا ختم ہو گیا ہے میری بالیاں گرو رکھ کر کچھ پیسے لے آؤ نکھٹو"۔ آہ، قدر ناشناس دنیا، تیرے پاس ہمارے لئے ایک موٹر بھی نہیں؟ تیری ٹمٹموں کو آگ لگے۔ تیرے یکّے جل جائیں، تیری سائیکلیں پنچر ہو جائیں، تیری ریلیں پچک جائیں۔ تیرے ہوائی جہاز زمین سے چمٹ جائیں، تیرے پاس ہمارے لئے ایک موٹر بھی نہیں۔ ایک موٹر۔ یا ایک موٹر کا نمونہ، یا ایک موٹر کا پیجز، جو صرف رینگ سکتا ہو۔ جو صرف۔ جو صرف کھڑا رہ سکتا ہو۔ ایک موٹر۔ بس ایک موٹر۔

لیکن پھر بھی ہمارا ارادہ ہے کہ ہم ایک موٹر خریدیں گے۔ اور جس طرح پہلے بیان کر دیا گیا ہے ہم اُسے اسّی نوّے میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلایا کریں گے۔ اگر وہ کبھی الٹ کر ٹوٹ گیا تو ہمارے احباب کا یہ فرض ہوگا کہ اس کے پُرزے لندن کے عجائب گھر میں لے جائیں۔ جن کے پاس سنگِ مرمر کے ایک تختہ پر موٹر کی شکل بنا کر نیچے یہ حروف کندہ کرائیں۔

"ایک ایسے گریجوایٹ کے موٹر کے پُرزے جس نے اپنے موٹر کے غرورِ نفس کی حفاظت کے لئے ٹریفک کے اصولوں کی مخالفت کی اور آخر اسی راہ میں شہید ہو کر حیاتِ جاودانی پا گیا۔ خدا کرے اسے آئندہ زندگی میں ایک موٹر نصیب ہو۔!"

ے اس مضمون میں موٹر کا لفظ مصلحتاً صیغہ مذکر میں استعمال ہوا ہے۔

جماعت اسلامی - جن سنگھ کے حضور میں

دھلی، ۱۵ر اپریل۔ سیّد حامد حسین سیکرٹری جماعت اسلامی ہند اور شری بلراج مدھوک سابق صدر بھارتیہ جن سنگھ کے درمیان تقریباً ایک گھنٹہ تک نئی دہلی کے پُرامن "نان کنگ" ہوٹل میں نہایت خوشگوار فضا میں اور دوستانہ بے تکلفی کیساتھ ملک و ملّت کے مسائل، اسلام اور جماعت اسلامی ہند کے بارے میں بات چیت ہوئی۔ دونوں لیڈروں نے ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو سنجیدگی اور تفصیل کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کی اور برادرانہ محبت کے جذبہ کے ساتھ مزید ملاقاتوں کا وعدہ کر کے رُخصت ہو گئے۔

شری مدھوک اور سیّد صاحب کے درمیان اس بات پر اتفاق رائے ہوا کہ جب تک قابلِ اعتماد سیرت و کردار رکھنے والے اور دیانت افراد حکومت کے ذمہ دار نہیں ہوتے، ملک کی کسی پہلو سے بھلائی ممکن نہیں ہے۔ دونوں لیڈروں میں اس بات پر بھی اتفاق رائے ہوا کہ جس تعمیری نظام کی ہندوستان کو شدید ضرورت ہے وہ ایسا ہونا چاہیئے جس سے فرد کی آزادی، افراد کے حقوقِ ملکیت، مذہبی آزادی اور سماجی فلاح و بہبود کی ضمانت موجود ہو۔

دونوں رہنماؤں کے نظریات میں کچھ اختلاف باقی ہے، بہت ممکن ہے کہ آئندہ ملاقاتوں میں وہ بھی دور ہو جائے۔

(جماعت اسلامی ہند کے مرکزی ترجمان "دعوت" مورخہ ۲۲ر اپریل ۱۹۷۳ء، صفحہ ۶)

محسن بھوپالی



غزل



آپ پربت، اکثریت رائی ، کیوں کیسی کہی
خود نہیں ہیں، قوم ہے ہرجائی ، کیوں کیسی کہی

وقت آیا تو اسی کو کاٹ کر آگے بڑھا
جس کو وہ کہتا رہا تھا بھائی ، کیوں کیسی کہی

اُس طرف تھا موت کا عفریت رقصاں اور اِدھر
بج رہی تھی بغض کی شہنائی ، کیوں کیسی کہی

بستیاں ویراں ہوئیں، بازار بے رونق ہوئے
ٹیلیویژن میں ہے اب رعنائی ، کیوں کیسی کہی

"کیبرے شو" بھی وسیلہ بن گیا امداد کا!
میکشوں نے بھی سعادت پائی ، کیوں کیسی کہی

اب تو "چولستان" میں سبزہ اُگے گا دوستو
اور شہروں میں جمے گی کائی ، کیوں کیسی کہی

منتظر ہیں ہر طرف سیلاب کے مارے ہوئے
یہ ہے وقتِ انجمن آرائی ، کیوں کیسی کہی

چند مرکزی وزراء دوبارہ ون یونٹ مسلط کرنا چاہتے ہی

معراج محمد خان سے
ایک ملاقات

وھاب

"میں تم کو اچھی طرح جانتا ہو
شیر محمد مری کو بھی جانتا ہوں، لیکن یاد رکھو کہ
جدید آلات اور سیارے بنا لئے ہیں، جن کے
معلوم ہو سکتا ہے کہ شیر محمد مری کے ۵ ہزار گوریل
یہ مسٹر بھٹو کے الفاظ ہیں جو انہوں نے ۱۹۷۰ء کی
میں اپنے نظریاتی مخالفین کو وارننگ دیتے ہو
یہ پہلا موقع تھا کہ مسٹر بھٹو نے سوشلسٹ عناص
اپنے باطن کا اظہار کیا۔
یہ انکشاف معراج محمد خان نے ایک ا
کیا۔ وہ بلوچ رہنما شیر محمد مری کی گرفتاری پر تبصر
انہوں نے کہا کہ آج جو کچھ بلوچستان میں ہو رہا ہے
نشاندہی مسٹر بھٹو نے ہالہ کانفرنس کی تقریر میں
اس تقریر کے ریکارڈ آج بھی لوگوں کے پاس م



جب نئی لیبر پالیسی کا نفاذ ہوا تو اس وقت معراج مح
صدر کے مشیر برائے عوامی امور تھے۔ اور مزدوروں کے مسائ
کرانے کی ذمہ داری ان کو سونپی گئی تھی۔ اس نئی لیبر پالیسی ک
نے مسترد کر دیا۔ اور اسے اپنے مفادات کے منافی قرار دیا
مسٹر معراج محمد خان سے سوال کیا گیا کہ کیا نئی لیبر پالیسی
وقت آپ سے مشورہ کیا گیا تھا یا نہیں، اور آپ نے
پالیسی کی مخالفت کیوں نہیں کی؟ اس کے جواب میں
نے بتایا کہ "میں نے موجودہ حکومت کی کسی بھی اصلاح
حمایت نہیں کی۔ کیونکہ میں اصلاحات پر نہیں، انقلاب
رکھتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جاگیردارانہ، سرمایہ دارانہ نظ



اختلافات کی ابتدا

ہالہ کانفرنس

سے ہوئی!!

معراج نے کہاکہ شیر محمد مری کو اس لئے گرفتار کیا گیا کہ حکومت اور اس کے اتحادی سمجھتے ہیں کہ مری علاقے میں ایسے سوشلسٹ عناصر کا گروہ موجود ہے جو عوامی جد وجہد کے ذریعے پاکستان میں جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے، اور مظلوم طبقوں کے ساتھ ساتھ مظلوم قومیتوں کو بھی آزاد کرانا چاہتا ہے۔ اگر موجودہ حکومت کے ۴۱ ماہ کے دورِ اقتدار کا تجزیہ کیا جائے تو یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ وہ سوشلسٹ عناصر کی دشمن ہے۔ مجھے بھی عراقی اسلحہ کیس میں ملوث کرنے کی ناکام کوشش کی گئی۔ تحقیقات کے دوران شیر محمد مری سے میرے بارے میں سوالات کئے گئے۔ پوچھا گیا کہ بلوچ تحریک اور تم سے معراج محمد خان کے تعلقات کس نوعیت کے ہیں۔ کیا عراقی اسلحہ حکومت کے ایک سابق وزیر نے منگوایا تھا؟ اسی قسم کے سوالات پیپلز لیبر فرنٹ کے کنوینر رفعت یاور سے بھی کئے گئے۔ مقصد یہ تھا کہ مجھے ملک دشمنی کے الزام میں ملوث کیا جائے اور یہ ثابت کیا جائے کہ بلوچ تحریک غیر ملکی امداد اور اشارے پر چل رہی ہے حکومت ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتی تھی۔"

بلوچستان کے موجودہ بحران کے اسباب پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے معراج محمد خان نے کہاکہ "قیامِ پاکستان ہماری نوکر شاہی، اور استحصالی طبقوں کی اکثریت ایک علاقے سے متعلق تھی۔ اس نوکر شاہی اور استحصالی عناصر نے نہ صرف اپنے علاقے کے عوام کا استحصال کیا بلکہ ریاستی طاقت کے بل بوتے پر دوسرے صوبوں میں بسنے والی قومیتوں کا بھی اقتصادی اور سیاسی استحصال کیا، انہوں نے اپنی لوٹ کھسوٹ برقرار رکھنے کے لئے مظلوم قومیتوں کو پس ماندہ رکھا، اور ریاستی اقتدار، اقتصادی اداروں اور نوکر شاہی میں برابر کا حصہ نہیں دیا۔ چنانچہ پورے ملک کی اقتصادیات ایک استحصالی محور پر گھومتی رہیں۔ بلوچ قومیت کے ساتھ بھی ایسا ہی رویہ اختیار کیا گیا۔ ابتداء ہی میں بلوچستان کے عوام کو اقتصادی اور معاشرتی ترقی کے میدان میں مساوی حقوق نہیں دیئے گئے۔ انہیں غلام بنا کر رکھا گیا۔ ایوب خان کے زمانے میں بلوچ رہنماؤں پر ظلم وتشدد کیا گیا۔ پابندِ سلاسل کیا گیا۔ بلوچ عوام کو فوجی بوٹوں سے نوازا گیا۔ ان پر بمباری تک کی گئی، لیکن بلوچ عوام نے سرِ تسلیم خم نہیں کیا۔ وہ قومیتوں کے حقوق کی بحالی کی جنگ لڑتے رہے جب موجودہ حکومت برسرِ اقتدار آئی تو توقع تھی کہ مشرقی پاکستان کے المیہ سے سبق لے گی۔ اس کے علاوہ پیپلز پارٹی کے بنیادی اصولوں اور انتخابی منشور میں قومیتوں اور صوبائی حقوق کی ضمانت دی گئی تھی۔ لہٰذا موجودہ حکومت سے قومیتوں کے حقوق کی بحالی کی توقعات رکھنا ایک لازمی امر تھا، لیکن پیپلز پارٹی کی حکومت نے ماضی کے حکمرانوں کی مانند پاکستان کے مختلف صوبوں اور قومیتوں کو دبانے کی پالیسی جاری رکھی۔ اس نے وفاقی پارلیمانی جمہوریت کا نعرہ بلند کیا اور دستور ہی میں اسے جگہ بھی دی، لیکن اس پر عمل نہیں کیا۔ جن صوبوں میں پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت نہیں تھی وہاں وفاقی حکومت توڑ پھوڑ اور سازشوں میں مصروف ہوگئی۔ بلوچستان اور سرحد میں نیپ اور جمعیت کے ارکانِ اسمبلی کو دباؤ، لالچ اور تشدد سے توڑنے اور خریدنے کی کوششیں کی گئیں۔ اس طرح آئین کے وفاقی اصولوں کو پامال کیا گیا۔ جب وفاقی حکومت دباؤ اور لالچ سے ارکانِ اسمبلی کو خریدنے اور بلوچستان و سرحد میں نیپ اور جمعیت کو اقلیت میں تبدیل کرنے میں ناکام رہی تو اس نے بغیر کسی سنجیدہ وجہ کے بلوچستان میں صدارتی راج نافذ کردیا۔ اور ایک ایسے شخص

میں نے وزارت کی پروانہ کی اور محنت کشوں کی حمایت کی

چھتری تلے ملک میں اصلاحات نہیں ہوسکتیں۔ یہ ناممکن ہے کہ عوام کے طبقاتی دشمن عوام کی خدمت سرانجام دیں۔ نئی لیبر پالیسی بناتے وقت مجھ سے مشورہ نہیں کیا گیا۔ کابینہ اور پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے اجلاس میں، میں ہمیشہ استحصالی نظام کا خاتمہ کرنے پر زور دیتا تھا۔ اس مسئلہ پر بعض رجعت پسند وزیروں سے لڑائی بھی ہوئی تھی۔ جب ۷، اور ۸ رجون کو کراچی کے مزدوروں پر صوبائی حکومت نے فائرنگ کروائی تو میں نے تمام وزارتی ذمہ داریوں اور کابینہ کے اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر حکومت کے اقدام کی مذمت کی اور مزدوروں کے موقف کی تائید کی، اور پھر جب کراچی میں ترقی پسند صحافیوں، اہلِ قلم، طلبہ اور مزدوروں کے مشترکہ سامراج دشمن جلوس پر لاٹھی چارج کی گئی اور تشدد کیا گیا تو میں نے فوراً حکومت کے رویّہ کی مذمت کی اور کراچی آکر گرفتار شدہ لوگوں کو حوالات سے چھڑالیا۔"

●●

لوگوں نے بنا دیا، جس کی محب وطنی پر موجودہ حکمران خود چند روز پیشتر تک کیچڑ اچھالتے تھے۔ اسے "غدار، ملک دشمن اور لندن پلان کا خالق" کہتے تھے۔ مینگل وزارت توڑنے کے ساتھ ساتھ بلوچستان میں فوجی کارروائی بھی شروع کر دی گئی۔ اس طرح سے بلوچ عوام کی تحریک کو دبانے کی کوشش کی گئی۔ اکبر بگٹی کی وساطت سے نیپ اور جمعیت کی اکثریت کو اقلیت میں بدلنے کی کاوش جاری رکھی گئی، لیکن منہ کی کھائی۔ پھر جام صاحب آف لس بیلہ کی سربراہی میں کابینہ بنائی گئی۔ کہا گیا کہ اس کابینہ کو ارکان اسمبلی کی اکثریت کی حمایت حاصل ہے۔ لیکن آج تک صوبائی اسمبلی کا اجلاس بلوانے کی ہمت نہیں ہو سکی۔ صوبائی بجٹ کا اعلان بھی اکبر بگٹی نے کیا اور اس بجٹ کو صدارتی حکم کے ذریعے تحفظ دیا گیا۔"

انتخابات میں کامیابی حاصل کر کے استحصالی نظام کے خاتمے کا دعویٰ جھوٹ ثابت ہوا

معراج محمد خان نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ "تمام تر ذرائع اور طاقت استعمال کرنے کے باوجود حکومت کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ میرا ایمان ہے کہ بلوچ عوام کی تحریک جو قومیتوں کے حقوق کی بحالی کی تحریک ہے، ضرور کامیاب ہو گی، اور یہ تحریک نہ صرف بلوچ عوام کو استحصال سے نجات دلائے گی بلکہ دوسرے صوبوں کی مظلوم قومیتوں کو بھی آزاد کرائے گی۔"

انہوں نے کہا کہ "فوجی کارروائی سے بلوچستان کے مسائل حل نہیں ہو سکتے، حکومت کو چاہیئے کہ وہ انکا سیاسی حل تلاش کرے۔ میرے خیال میں یہ مسائل اس وقت تک حل نہیں ہو سکتے جب تک تمام قومیتوں کو مکمل سیاسی اور اقتصادی آزادی انہیں دی جاتی۔ ہمیں چاہیئے کہ بلا خوف و خطر اس بات کو تسلیم کریں کہ پاکستان ایک کثیر القومیتی ریاست ہے اور تمام بڑی اور چھوٹی قومیتوں کو سیاسی اور مساوی حقوق ملنے چاہئیں تاکہ سب مل جل کر ملکی ترقی اور خوشحالی کا کام سر انجام دے سکیں۔"

قومیتوں کے مسئلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے مسٹر معراج نے کہا کہ "پاکستان میں قومیتوں کا مسئلہ ایک اہم تضاد کی حیثیت اختیار کر رہا ہے۔ یہ مسئلہ اب کسی علاقے یا کسی قومیت کا مسئلہ نہیں رہا بلکہ پورے ملک کے عوام، تمام قومیتوں اور مظلوم طبقات کا مسئلہ بن چکا ہے۔ لہٰذا ہر عوام دوست، محب وطن اور سوشلسٹ کا فرض ہے کہ وہ بلوچ عوام کے حق قومیت کی حمایت کرے، فوج کشی کی مخالفت کرے اور بلوچ عوام کے تمام جائز حقوق کو منوانے میں ان کی تحریک کا ساتھ دے۔"

انہوں نے بتایا کہ "قومیتوں کے بارے میں ہمارے ملک میں دو نقطۂ نظر پائے جاتے ہیں۔ ایک نظریہ تو وفاقی وزراء کا ہے جس کی وضاحت قیوم خان کرتے رہتے ہیں۔ دوسرا نظریہ سرداروں، مختلف قومیتوں سے وابستہ جاگیرداروں اور وڈیروں مثلاً جی۔ ایم۔ سید وغیرہ کا ہے۔ میں ان دونوں نظریات سے اتفاق نہیں کرتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ قومیتوں کا مسئلہ اپنے آخری تجزیہ میں ایک طبقاتی مسئلہ ہے۔ جب تک کسی علاقے یا پورے ملک میں جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ استحصال

باقی ہے اس وقت تک اس ظلم سے تو میتیں نجات حاصل کر سکتی ہیں اور نہ طبقات"

دورانِ گفتگو معراج محمد خان نے یہ انکشاف کیا کہ "وفاقی حکومت کے بعض وزراء ون یونٹ کے حامی ہیں اور اس کوشش میں مصروف ہیں کہ ون یونٹ کو دوبارہ قائم کر دیا جائے۔ دراصل یہ وزیر مضبوط مرکز کے حامی اور استحصالی طبقوں کے نمائندے ہیں"

اس سوال کے جواب میں کہ آپ نے پاکستان پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کیوں کی۔؟ معراج محمد خان نے کہا کہ "جب پاکستان پیپلز پارٹی قائم ہوئی تو اس وقت پورا ملک نظریاتی کش مکش اور بحران میں مبتلا تھا۔ گلیوں کوچوں فیکٹریوں، کھیتوں، دور دراز کے پہاڑی علاقوں اور دفتروں میں دو نظریات کا متصادم تھا۔ یہ ایک نظریہ ان لوگوں کا تھا جو اسلام کے پردے میں سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام کا تحفظ کرنا چاہتے تھے۔ اور دوسرے نظریہ کے حامی وہ افراد تھے جو سوشلزم کے پرچم تلے سرمایہ دارانہ، جاگیردارانہ نظام اور سامراجی اثرات کے خاتمہ کے لئے جدوجہد کر رہے تھے۔ دونوں نظریات کے درمیان کش مکش اور لڑائی اتنی شدید تھی کہ کبھی خبر آتی کہ سوشلسٹوں نے قرآن جلا دیا۔ کبھی فتویٰ صادر ہوتا کہ سوشلسٹ کافر اور منکر ہیں۔ کبھی پاکستان کو انڈونیشیا بنانے کی دھمکی دی جاتی۔ حکومت، سرکاری مشینری اور سرمایہ دار پریس استحصالی قوتوں کا ساتھ دے رہا تھا۔ ترقی پسند مزدوروں، مزدور رہنماؤں اور کارکنوں، اخبار نویسوں اور ہر ترقی پسند اور عوام دوست فرد پر رزق اور روزگار کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔ اس صورتِ حال میں ایک سیاسی تنظیم کی ضرورت پیش آئی تاکہ عوام الناس میں سوشلسٹ نظریات کا پرچار کیا جائے اور متحد کیا جائے۔ کیونکہ پاکستان پیپلز پارٹی نے سامراجی سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ استحصال کے خلاف نعرہ بلند کیا تھا، اس لئے نہ صرف میں نے، بلکہ تمام محب وطن، ترقی پسند اور سوشلسٹ گروہوں نے اس کی حمایت کی اور اس کے ساتھ مل کر کام کیا۔ کیوں کہ اس وقت ملک میں کوئی دوسری ایسی جماعت منظم نہیں تھی، جو لوگوں کو اپنے گرد جمع کر کے رجعت پسند طاقتوں کا مقابلہ کرتی۔ اس لیے میرے لئے پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کرنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا"



سرحد اور بلوچستان میں وفاقی اصولوں کو قربان کر دیا گیا

مسٹر معراج مارکسزم اور لینن ازم پر خاصا عبور رکھتے ہیں۔ انہوں نے تاریخ کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ مختلف ممالک میں بورژوا سیاسی جماعتوں نے سوشلزم کا نعرہ لگایا، لیکن برسرِ اقتدار آنے کے بعد اپنے وعدوں سے منحرف ہو گئیں۔ لہٰذا ان سے پوچھا گیا کہ پاکستان پیپلز پارٹی کے طبقاتی کردار سے واقف ہوتے ہوئے انہوں نے پیپلز پارٹی کو عوام دوست اور سامراج دشمن کیسے سمجھ لیا؟ اس سوال کے جواب میں معراج محمد خان نے کہا کہ "پاکستان پیپلز پارٹی کے بنیادی اصولوں اور منشور میں سرمایہ داری اور جاگیرداری، سامراجی، اقتصادی، فوجی امداد اور فوجی معاہدوں کی مخالفت کی گئی تھی۔ بڑی صنعتوں کو قومی ملکیت میں لینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اقتدار میں آنے سے پیشتر اس کا عام رویہ عوام دوستی اور حب الوطنی پر مبنی تھا، جس کا اظہار تمام ترقی پسند اخبارات اور رسالوں کے اداریوں اور مضامین سے چلتا ہے۔ لہٰذا ہم نے اس پارٹی میں شمولیت اختیار کی اور عوام کے لئے کام کیا"

سوال تھا کہ ہالہ کانفرنس میں آپ نے انتخابات میں حصہ لینے کی مخالفت کی، لیکن بعد میں انتخابی مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ کیا یہ بات آپ کے قول و فعل میں تضاد ظاہر نہیں کرتی۔؟ اس کے جواب میں معراج محمد خان نے بتایا کہ "میرے عمل اور قول میں کوئی تضاد نہیں تھا، نہ نظریات اور باتوں میں۔ ہم عوام کے بنیادی حقوق، شہری آزادیوں اور حقِ بالغ رائے دہی کے لئے اس وقت سے جدوجہد کر رہے تھے، جب مسٹر بھٹو ایوب کابینہ کے رکن تھے۔ یہ بات دوسری ہے کہ ہم نظریاتی طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ ایک سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ ریاست میں ذرائع پیداوار اور وسائلِ دولت ایک طبقے کی ملکیت میں ہونے کی وجہ سے حق رائے دہی اور انتخابات کے ذریعے حکومت، ریاستی مشینری اور ریاست کے استحصالی معاشی ڈھانچے کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ تمام لڑائیاں ریاست کے اقتصادی ڈھانچے کے اندر ہی لڑی جاتی ہیں۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ مظلوم عوام کو اپنے نمائندے منتخب کرنے کا حق تو ہوتا ہے لیکن اپنی غلامانہ طبقاتی پوزیشن اور اقتصادی نظام کو تبدیل کرنے کا حق نہیں ہوتا۔ ان ہی اسباب کی بنا پر ہم اس بات کے مخالف ہیں کہ انقلابی قوتیں اور مظلوم طبقات اپنی نجات کا واحد اور اعلیٰ ترین ذریعہ حق رائے بالغ دہی میں تلاش کریں۔ ہالہ کانفرنس میں ہم نے ایک صحیح نظریاتی موقف اختیار کیا، اور کہا کہ پارٹی انتخابات میں ضرور حصہ لے، لیکن عوام میں یہ بات نہ پھیلائے کہ حکومتی اداروں اور ریاستی اقتدار پر قابض استحصالی طبقات کا خاتمہ انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے سے ہی ہو جائے گا۔ اور پارلیمان میں ہماری پارٹی کی اکثریت ہونے سے استحصالی نظام کا خاتمہ ہو جائے گا۔ ہمارا کہنا تھا کہ عوام کو بتایا جائے کہ انتخابات مسائل کا حل نہیں ہوتے، صرف

انقلاب ہی مسائل حل کر سکتا ہے۔ لیکن ہمارے مخالفین جن میں پیپلز پارٹی کے چیئرمین بھی شامل تھے، کا کہنا تھا کہ وہ انتخابات کے ذریعے لوٹ کھسوٹ کے نظام کو ختم کر دیں گے۔"

معراج محمد خان نے انکشاف کیا کہ پیپلز پارٹی کی قیادت سے ان کے اختلافات کی ابتداء ہالہ کانفرنس سے ہوئی۔ انہوں نے بتایا کہ "میں پاکستان کے عوام کا بنیادی دشمن سامراج کو سمجھتا ہوں۔ وڈیرے اور جاگیردار، سامراج کے سب سے بڑے اتحادی اور حامی ہیں۔ سامراجی ہمارے ملک میں جاگیردارانہ نظام کا خاتمہ نہیں چاہتے، اسلئے میں نے ہالہ کانفرنس میں کہا کہ اگر ہم سامراج سے لڑنا چاہتے ہیں تو ہمیں سرمایہ داروں کے ساتھ ساتھ اپنی لڑائی کا بنیادی رُخ جاگیردارانہ نظام کے خاتمہ کی طرف موڑ دینا چاہیئے۔ اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ ہم سرمایہ داروں کے خلاف جدوجہد نہیں کرنا چاہتے تھے، بلکہ ہم جاگیردارانہ نظام کے خاتمہ کو بنیادی حیثیت دینا چاہتے تھے، لیکن مسٹر بھٹو نے اس موقف کی مخالفت کی اور کہا کہ سامراج کا تعلق ملک کے سرمایہ دار طبقہ سے ہے، جاگیرداروں سے نہیں۔ اس پر میں نے کہا کہ پارٹی کے منشور میں جاگیردارانہ استحصال ختم کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے، اس لئے جاگیرداروں اور وڈیروں کو انتخابات میں کھڑا نہیں کیا جائے گا۔ روشن خیال اور قوم پرست حکومت بنانے کے لئے پارٹی محنت کش طبقے، کسانوں، مزدوروں اور طلباء کی تنظیموں کے نمائندے اور انقلابی دانشوروں کو انتخابی ٹکٹ دے، لیکن میری بات نہیں سنی گئی۔ اس پر میں نے کہا کہ ایسی صورت میں ہم میں سے کوئی انتخاب نہیں لڑے گا۔"

معراج محمد خان نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ "نظریاتی طور پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حق بالغ رائے دہی اور پارلیمانی جمہوریت تاریخی اعتبار سے فرسودہ ہو چکی ہے۔ لیکن پاکستان عملی لحاظ سے حق بالغ رائے دہی اور پارلیمانی جمہوریت پہلے مرحلے سے گزر رہی تھی، اس لئے عوام الناس، مزدوروں اور کسانوں کا اس میں حصہ لینا ضروری تھا اور انہوں نے لیا۔ لہٰذا عملی سیاست کے اعتبار سے ہم عوام سے علیٰحدہ نہیں رہ سکتے تھے۔ ہم خود انتخابات میں کھڑے نہیں ہوئے، لیکن انتخابی مہم میں حصہ لیا اور کہا کہ انتخاب مسائل کا حل نہیں، انقلاب واحد حل ہے۔"

اس ادا پہ کون نہ مر جائے اے خدا

جنگی قیدیوں کی رہائی ایک قومی مسئلہ تھا۔ الفتح اپنے محدود وسائل اور مشکلات کے باوجود اس اہم قومی معاملہ میں اپنا فرض پورا کرنے کیلئے بے چین تھا۔ یہ ہماری دیرینہ خواہش تھی کہ اس مسئلہ پر الفتح کا ایک خصوصی شمارہ نکال کر اپنا حصہ بٹائیں۔ لیکن جب بھی ہم اس جانب مائل ہوتے تو نیوز پرنٹ کوٹہ کی منسوخی اور اشتہارات پر پابندی ہماری راہ میں مشکلات کے پہاڑ حائل کر دیتی۔ ان تمام تر دشواریوں کے باوجود بالآخر ہم نے جنگی قیدی نمبر نکالنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس سلسلے میں وزارتِ اطلاعات و نشریات کو ایک خط لکھا گیا کہ چونکہ یہ ایک قومی مسئلہ ہے اور اس پر ادارہ، الفتح ایک خصوصی نمبر شائع کرنے جا رہا ہے، اس لئے عارضی طور پر اس ایک شمارہ پر سے اشتہارات کی پابندی ہٹالی جائے۔ ہمارا خیال تھا کہ وزارتِ اطلاعات و نشریات اس قومی معاملے میں الفتح سے تعاون کرے گی۔ اور اشتہارات کی پابندی کم از کم اس ایک شمارہ سے اٹھالے گی۔ لیکن صد افسوس کہ ہمارا یہ خیال غلط نکلا۔ وزارتِ اطلاعات نے ہماری اس خواہش کو ٹھکرا دیا۔

اس واقعہ کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ الفتح کا جنگی قیدی نمبر ۲۳ اگست ۷۳ء کو مارکیٹ میں آگیا جبکہ وزارتِ اطلاعات و نشریات سے ۲۴ اگست کو جواب ڈسپیچ کیا گیا، جس میں ادارہ کو اطلاع دی گئی کہ آپ کی درخواست مسترد کر دی گئی ہے۔ اس طرح یہ سرکاری جواب "بہترین کارکردگی کی بہترین مثال" ہے۔

Telegrams: "INTERFAP"

Government of Pakistan

DEPARTMENT OF FILMS & PUBLICATIONS

Ministry of Information & [illegible] Broadcasting, Auqaf & Hajj.

NO. 7-16/71-Advt.

KARACHI, THE Aug. 24, 1973.

The Business Executive,
Al-Falah Matbaat,
87-D, Nursery Commercial Area,
P.E.C.H. Society,
KARACHI.

Dear Sir,

Please refer to your letter regarding release of advertisements in the Special Supplement of the Weekly 'Al-Fatah', Karachi on POW's received by us on 4th August, 1973.

2. Your request has duly been considered and it is regretted that it is not possible to accede to it.

Yours faithfully,

(A. M. Mukhtar)
Assistant Director (Adv).

محکمہ فلم اور مطبوعات کے خط کا عکس

ستمبر ۶۵ء کی جنگ کے اہم واقعات

جنگِ عظیم دوم کے بعد سیالکوٹ سیکٹر میں ٹینکوں کی سب سے بڑی لڑائی

۶ ستمبر: بھارت نے جسڑ، بیدیاں اور واہگہ کے راستے لاہور پر حملہ کردیا۔ بھارت کے ۲۲ طیارے تباہ کردیئے گئے۔ ان میں تیرہ طیارے پٹھان کوٹ کے ہوائی اڈے پر، ۸ لاہور کے قریب اور وزیر آباد کے قریب گرادیئے گئے۔ بھارت کے دس ٹینک، ۵۰۰ فوجی گاڑیاں تباہ کردی گئیں اور آٹھ سو فوجی ہلاک کردیئے گئے۔

۷ ستمبر: کراچی، سرگودھا، راولپنڈی اور مشرقی پاکستان کے پانچ شہروں پر بھارتی فضائیہ نے بمباری کی۔ پاک فضائیہ نے جوابی حملہ کیا اور ۳۱ ہندوستانی طیارے تباہ کردیئے۔ پاک فوج نے کھیم کرن کی طرف پیش قدمی کی۔ بھارتی فوج نے چونڈہ پر پانچ مقامات سے حملہ کیا جو ناکام بنادیا گیا۔ اس محاذ پر دشمن نے ۱۵۰ ٹینک، توپ خانے کی چار رجمنٹیں اور ۲۵ ہزار پیدل فوج استعمال کی۔ عوامی جمہوریہ چین اور انڈونیشیا نے پاکستان کی حمایت کا اعلان کردیا۔ امریکہ نے پاکستان اور بھارت کی فوجی امداد بند کردی۔ سوویت یونین نے تصفیہ کرانے کی پیش کش کی۔

۸ ستمبر: پاک بحریہ نے کراچی سے ۲۱۰ میل دور کاٹھیاواڑ کے ساحلی فوجی قلعے دوار کا کو تباہ کردیا۔

۹ ستمبر: پاک فضائیہ ۰ جالندھر، لدھیانہ، بمبئی، کلکتہ اور سری نگر کے ہوائی اڈوں پر بمباری کی۔ سری نگر کا ہوائی اڈہ تباہ ہوگیا۔ ۳۳ بھارتی طیارے تباہ کردیئے گئے۔ انڈونیشیا کے صدر ڈاکٹر سوکارنو نے پاکستان کو امداد دینے کا اعلان کردیا اور ایران، الجزائر اور ترکی نے پاکستان کی حمایت کا اعلان کیا۔

۱۰ ستمبر: واہگہ، قصور اور سیالکوٹ کے محاذوں پر بھارت کو زبردست شکست اٹھانا پڑی۔ پٹھان کوٹ، جودھ پور، ہلواڑہ، آدم پور اور جام نگر کے ہوائی اڈے پاکستانی طیاروں کی بمباری سے تباہ ہوگئے۔ پانچ روز کی جنگ میں ہندوستان کے ۱۳۶ طیارے تباہ ہوئے۔

۱۱ ستمبر: پاکستان نے کھیم کرن پر قبضہ کرلیا۔ چونڈہ میں بھارتی فوج نے زبردست حملہ کیا۔ پاکستان کے ۵۰ ٹینکوں نے بھارت کے چھ سو ٹینکوں کا مقابلہ کیا۔

عوام اور فوج نے متحد ہوکر دشمن کا مقابلہ کیا!



سیالکوٹ شہر پر بھارتی فضائیہ نے وحشیانہ بمباری کی۔

۱۲ ستمبر: سیالکوٹ سیکٹر میں بھارت کے ۱۸۷ ٹینک تباہ کر دیئے گئے۔ کھیم کرن میں سکھ رجمنٹ نے ہتھیار ڈال دیئے۔

۱۳ ستمبر: سیالکوٹ سیکٹر میں جنگِ عظیم دوم کے بعد ٹینکوں کی سب سے بڑی لڑائی ہوئی۔ بھارت کے ۲۴۳ ٹینک، سینکڑوں بکتر بند گاڑیاں اور دوسرے جنگی ساز و سامان کو تباہ کر دیا گیا۔ بھارتی فوج کے ایک ڈویژن کا صفایا کر دیا گیا۔ پاک فوج نے منابائو ریلوے اسٹیشن پر قبضہ کر لیا۔

۱۴ ستمبر: پشاور کے دو گاؤں پر ہندوستانی فضائیہ نے بمباری کی۔ کوہاٹ میں بمباری سے ۳۰ افراد شہید ہو گئے۔ پاک فضائیہ نے مغربی بنگال کے دو ہوائی اڈے اور ۵ بھارتی طیاروں کو تباہ کر دیا۔

۱۵ ستمبر: مغربی پاکستان کے محاذوں پر بھارت کے ۳۰ ٹینک، ۴ طیارے، ۵ ہلکی اور بھاری توپیں اور ۱۵ فوجی گاڑیاں تباہ کر دی گئیں۔

۱۶ ستمبر: دس روز کی جنگ میں ۷ ہزار ہندوستانی فوجی ہلاک، ۹۳ طیارے اور ۴۷۶ ٹینک تباہ کر دیئے گئے۔ چین نے بھارت کو سکم کی فوجی چوکیاں تین دن کے اندر اندر خالی کرنے کا الٹی میٹم دیدیا۔

۱۸ ستمبر: پاک فضائیہ نے انبالہ کے ہوائی اڈہ پر زبردست حملہ کر کے اسے تباہ کر دیا۔

۱۹ ستمبر: سیالکوٹ سیکٹر میں بھارتی افواج کو منہ کی کھانی پڑی۔

۲۰ ستمبر: واہگہ سیکٹر میں دشمن کے ۱۲ ٹینک تباہ کر دیئے گئے۔ لاہور میں طیاروں کی لڑائی میں دو بھارتی طیارے تباہ ہو گئے۔ سلامتی کونسل میں ۱۱ ملکوں نے اتفاق رائے سے جنگ بندی کی قرارداد منظور کر دی۔

۲۳ ستمبر: جنگ بندی کا اعلان کر دیا گیا۔



بقیہ • بدعنوانیوں کے شکار

کامریڈ محمد صدیقی کے بیان کردہ واقعات سنگین نوعیت کے ہیں۔ سندھ کے ایک زمیندار نے اس دور میں اپنے ظلم اور بربریت سے چنگیز اور ہلاکو کو مات کر دیا ہے۔ آخر اس قسم کے ظالم زمیندار کس کے اشاروں پر یہ گھناؤنا کھیل کھیل رہے ہیں۔ ان کی حرکتوں سے کون بدنام ہو رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایسے لوگوں کو پیپلز پارٹی کے کسی نہ کسی وزیر کی حمایت حاصل ہوتی ہے۔ کیا یہ وزراء ایسے لوگوں کی حمایت کر کے اپنے اقتدار کی تابوت میں کیل نہیں ٹھونک رہے ہیں۔ وہ صرف عوام کی حمایت اور رضامندی سے مسندِ اقتدار پر براجمان رہ سکتے ہیں۔ اگر انہوں نے عوام سے کٹ کر بھیڑیئے زمینداروں کی پشت پناہی شروع کر دی اور غریب عوام پر ظلم جاری رہنے دیا گیا تو دنیا کی کوئی طاقت ان وزراء کو تباہی سے نہیں بچا سکتی۔ وہ خود بھی ڈوبیں گے اور اپنے ساتھ بعض ایسے افراد کو بھی لے ڈوبیں گے، جو خلوصِ نیت سے عوام کے لئے کچھ بہتر کام کرنا چاہتے ہیں۔ اگر اقتدار میں رہنا ہے، تو یہ ظلم بند کرو، اور عوام کی خدمت کرو، ظالم جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کا محاسبہ کرو۔



افسانہ

احسان ملک

رسّہ گیر

فقرا جٹ بڑا ہی کایاں اور گھاگ رسّہ گیر تھا۔ اس کی چترائی کا یہ عالم تھا کہ اپنے دھندے میں وہ ایک بار بھی پکڑا نہیں گیا۔ وہ اپنے "تنگ" کو یوں صفائی سے اٹھائے جاتا جیسے ہوا کا جھونکا پھولوں کی باس اڑائے جائے۔

فقرا جٹ رنگ رنگ کے جناوروں کے گن اس طرح جانتا تھا جیسے وہ خود انسان نہ ہو، کوئی جناور ہی ہو۔ وہ اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر آواز سے ہی بتا سکتا تھا کہ بھیڑ بیرک ہے یا بنجی؟ گھوڑا دیسی ہے یا ولائتی؟ گائے داجلی ہے یا دھنی؟ بھینس نیلی ہے یا کنڈی؟

واردات سوچ سمجھ کر بڑی ہوشیاری سے کرتا تھا۔ وہ پہلے تو کوئی سوہنا سا "تنگ" ڈھونڈتا اور اگر اس کی اٹھان، اس کا رنگ روپ جی کو لگتا تو پھر وہ جناور کا نام معلوم کر کے اس کو پکارنے کا طریقہ دریافت کرتا۔ رات کو نقب لگاتا اور ہولے ہولے جناور کا نام پکار کر اسے پیار سے تھپکی دیتے ہوئے اس کی آنکھوں پر "اندھیری" چڑھا دیتا، اور پھر سویرا ہونے تک میلوں دور نکل جاتا۔

خوبصورت، تندرست اور بانکے جناور شکار کرکے لے جانے میں ایک تو لطف بہت آتا تھا، دوسرے جناوروں کے منہ مانگے دام مل جاتے تھے۔

سوائے ہاتھی کے اس نے ہر قسم کے کام والے جناور پر اپنے داؤ آزمائے تھے۔ ان دنوں وہ سوائے اعلیٰ النسل کے صبا رفتار گھوڑوں کے، کسی دوسری چیز کو ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔ گھوڑوں کو پر لگا کر اڑائے جاتا، حالانکہ رسّہ گیری کے دھندے میں یہ سب سے مشکل کام تھا۔ لیکن فقرے کو پولو اور ریس کھیلنے والوں یا عمدہ گھوڑوں کے شوقین زمینداروں سے ناویں اچھے مل جاتے تھے۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اچھے گھوڑے ولایت بھی بھیجے جاتے ہیں اور ہیروں کے مول بکتے ہیں۔

فقرا اب ادھیڑ عمر ہونے کو آیا تھا اور تھک چکا تھا۔ ایک دن اس کے جی میں آئی کہ یار چھوڑ اس دھندے کو، کوئی ایسا کام کر جس میں راتوں کو سیندھ لگانے کی ضرورت پڑے نہ جناوروں کو چھپانے اور دیکھ بھال کرنے کی۔

اس نئے دھندے کے سلسلے میں آج وہ ملنگ پیراں دتہ کے پاس آیا تھا اور اس سے ان جگہوں کا پتہ پوچھ رہا تھا جہاں اس کا نیا مال اچھے داموں بک جائے۔

ملنگ سے مگھم میں بات کرکے، فقرے نے ایک چیلے سے بھنگ میں شراب ملوائی اور دو کٹورے اس "لڑکی" کے پی کر اپنے "نئے مال" کو لئے سڑک پر آ گیا۔

وہ دونوں سڑک کے کنارے ایک بوڑھے پیڑ تلے بس کا انتظار کر رہے تھے اور فقرا سگریٹ کے سوٹے لگاتا سڑک کی دائیں جانب منہ کئے کھڑا تھا، کہ اچانک اسے سسکیاں بھرنے کی آواز آئی۔ وہ گردن پھیر کے بولا۔ "ہش لگی کہیں کی، کسی نے دیکھ لیا تو بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔ روتی کاہے کو ہے؟ تیرا باپ تجھے نہ پوچھے اور متری ماں مارتی پیٹتی رہے۔ بہن، بھائی، ماسی، نانی تیری کوئی نہیں، کوئی دور کا رشتے دار بھی نہیں جس کے پاس تو جا سکے۔ اب اور کیا ہو سکتا ہے لگی؟ بول چھوڑ آؤں تجھے متری

ماں کے پاس ہے؟"

لڑکی نے اب آنسو پونچھ لئے اور خاموش ہو گئی۔

فقیرا بولا "تجھے گانا سکھوا دوں گا اور کسی نے تجھے تنگ کیا تو دیکھ۔۔۔۔ یہ دیکھ۔" وہ کپڑوں کے نیچے سے چھپا ہوا پستول دکھا کر بولا "یہ پٹاخہ کاہے تو رکھ رکھا ہے؟ گولی ماردوں گا سالے کو۔"

اتنے میں بس آگئی اور فقیرے نے اس لڑکی کو اگلی سیٹ پر عورتوں کے ساتھ بٹھا دیا۔

شہر میں ملنگ پیراں دتّہ کے بتائے ہوئے ٹھکانوں میں سب سے پہلے وہ رحیم پورے کے افیم کے ٹھیکے کے بائیں ہاتھ والے احاطے میں پہنچا۔ وہاں ایک لوہار سے بلّے کا پتہ پوچھا اور پھر ایک پرانے سے مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک ادھیڑ عمر کا آدمی بنیائن اور تہبند پہنے باہر نکل کر بولا۔

"کیا بات ہے۔؟"

فقیرے نے کہا "ملنگ پیراں دتّہ نے بھیجا ہے "نگ" لایا ہوں۔" وہ بولا "آجاؤ۔"

اندر پہنچ کر یہ دونوں ایک کھری چارپائی پر بیٹھ گئے۔ بلّا ایک ٹوٹے پھوٹے مونڈھے پر بیٹھ گیا اور فوراً ہی بولا۔

"بولو کتنے پیسے لوگے؟"

فقیرے نے کہا "تم ہی بتاؤ۔"

بلّا بولا۔ "پندرہ سو۔"

فقیرا اب یوں بدکا جیسے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ اس نے بڑی حیرانگی سے پوچھا "پندرہ سو؟ کہ پندرہ ہزار؟

"پندرہ سو میاں، پندرہ سو، تین پنجے پندرہ۔" بلّا فقیرے کی بے خبری سے مسکرا کر بولا۔ "لڑکی ہے کوئی کوٹھی یا موٹر کار تو نہیں۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" فقیرا حیرانی سے سر پر ہاتھ پھیر کر بولا "یار تم نے تو میرا سارا نشہ ہرن کر دیا۔"

"میں نے تو پھر بھی ٹھیک بتایا ہے۔" بلّا بنیوں کے سے انداز میں کہنے لگا "کوئی اور ہوتا تو اس سے بھی کم بتاتا۔ مرضی ہو تو پوچھ دیکھو۔"

"نا بھائی نا۔" فقیرا وہاں سے اٹھتے ہوئے کہنے لگا "یہ سودا مجھے ٹھیک نہیں بیٹھتا، اگر یہی بات ہے تو میں تو بابا اس لڑکی کو چھوڑ آتا ہوں واپس اس کے گھر۔"

"ارے چھوڑو ان باتوں کو بھائی۔" بلّے نے آرام سے پھسکڑا مارتے ہوئے جواب دیا۔ "ہاتھ میں آئے ہوئے مال کو کون چھوڑتا ہے۔۔۔۔ ابھی پچھلے دنوں شیدے کو ایک آدمی پان پان سو کی تین لڑکیاں دے گیا تھا۔ ایک بڑی اور دو چھوٹی۔۔۔۔"

"نا بھائی نا۔۔۔۔" فقیرا ہاتھ سے انکار کا اشارہ کر کے کہنے لگا۔ "مجھے یہ سودا ٹھیک نہیں بیٹھتا۔۔۔۔ چل ری کملی اُٹھ، اُٹھ کہیں اور چلیں۔۔۔۔"

"اچھا تو مجھے مال تو دیکھ لینے دو؟" فقیرا اب اور بھی حیران ہوا۔ "ارے بھائی دیکھنا کیا ہے؟ یہ ہے تیرے سامنے، اسے دیکھا نہیں تو نے؟"

"معلوم ہوتا ہے ابھی تم نئے ہو اس دھندے میں۔" بلّے نے کہا "نہ تمہیں چھوکریوں کے مول کا پتا ہے اور نہ کسی اور بات کا۔"

فقیرا پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھ وہ لڑکی بھی بیٹھ گئی۔ تب بلّا ہنس کر اسے پچکارتے ہوئے بولا۔

"چل اس کوٹھری میں، اور کپڑے اتار ڈال"۔ اب فقیرا پھر بدکا اور سوالیہ انداز میں بولا۔ "کپڑے اتار ڈال؟ کیا مطلب؟"

"یار تو بھی عجیب آدمی ہے۔" بلّے نے ہنس کر بے حیائی سے کہا۔ "لوگ بدن بہت اچھا مانگتے ہیں۔" اب فقیرا پھر سر کھجانے لگا۔ دراصل بات یہ تھی کہ ایسی ہتک اس نے کبھی اپنے جناوروں کی بھی برداشت نہیں کی تھی۔ وہ بلّے کو یہ بتانا نہیں چاہتا تھا کہ وہ رسّہ گیر ہے۔ کچھ سوچ کر اس نے بڑی بے دلی سے اور کچھ مجبور سا ہو کر کہا۔

"اچھا! تو پھر دیکھ لو۔"

بلّا لڑکی کو کوٹھری میں لے گیا، اندر سے آواز آئی۔

"کپڑے اتار دو۔"

تھوڑی دیر بعد جب بلّا باہر آیا تو کہنے لگا "سترہ سو لے لو۔"

"نہیں یہ کوئی مول نہیں۔"

"اٹھارہ سو۔"

"نہیں۔"

"دو ہزار۔"

"نہیں۔"

"اچھا تو پھر تمہاری مرضی۔"

فقیرا اب اس لڑکی کو لے کر دوسرے اڈہ پر گیا۔ پھر تیسرے، پھر چوتھے اور اس شام تک اس نے شہر کے سارے اڈے دیکھ ڈالے۔

شام کو ہار کے وہ پھر بلّے کے ہاں پہنچا، بلّا اس وقت دو عورتوں کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ اُس نے فقیرے سے کہا "پیوگے۔؟"

"نہیں۔" فقیرا بولا "خالی شراب سے مجھے نشہ نہیں ہوتا۔" اب بلّا لڑکی کی طرف دیکھ کر کہنے لگا "تم پیوگی؟" لڑکی نے انکار میں سر ہلا دیا۔ وہ دونوں عورتیں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگیں بلّے نے بڑے پیار سے پوچھا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"اقبال بیگم" لڑکی نے احساسِ گناہ سے بوجھل لہجے میں آنکھیں جھکا کر جواب دیا۔

"تمہاری عمر کتنی ہے؟"

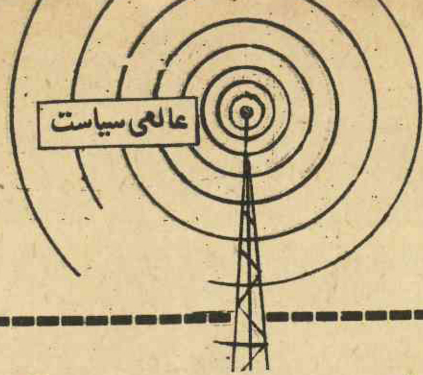
"سترہ سال۔"

"بھائی بلّے" فقیرے نے کہا "مجھے جلدی واپس جانا ہے، لاؤ ناواں لاؤ، بات ختم کرو۔"

بلّا اپنی جگہ سے اٹھا اور اندر چلا گیا۔ ٹرنک کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی۔ اور بلّا سو سو کے نوٹ گنتا ہوا باہر نکلا۔ "یہ لو۔" بلّے نے وہ نوٹ فقیرے کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔ "پورے دو ہزار ہیں۔" فقیرے نے رقم گنے بغیر بڑی بے دلی سے ڈب میں چھپائی اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

بلّے نے کہا "مال اپنا یہیں لے آیا کرو۔ دوست، پیسے اچھے ہی ملیں گے۔"

یہ سن کر فقیرا دروازے کی طرف جاتے جاتے رُک گیا اور اپنے آپ کو دل ہی دل میں گالی دیتے ہوئے بولا۔ "پیسے کیا اچھے ملیں گے یار، گھوڑا سات ہزار میں بکتا ہے اور آدمی دو ہزار کا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ٹاٹ کا پردہ اٹھایا اور اس انداز سے باہر نکل گیا گویا اس پیشے پر ہمیشہ کے لئے لعنت بھیج کر جا رہا ہو۔



امریکہ جان فاسٹر ڈلس کی پالیسی ترک کردے گا ؟

کیسنگر بسمارک ڈپلومیسی کے حامی ہیں

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی، ہنری کیسنگر نے ریسیور اٹھایا۔ انہیں جیوِلی کی آواز سنائی دی، جو کہ کہہ رہا تھا "کیسنگر اپنے دونوں بیٹوں کے ہمراہ صدر نکسن کی رہائش گاہ سان کلا منٹ اسٹیٹ پہنچو۔ صدرِ مملکت تم سے ملنا چاہتے ہیں۔" ہنری کیسنگر جب اپنے بچوں کے ہمراہ صدر نکسن کی رہائش گاہ پر پہنچے، تو صدر نکسن تالاب میں نہا رہے تھے۔ انہوں نے کیسنگر کو دیکھتے ہی ہاتھ ہلایا اور کہا "تم بھی آجاؤ۔" چنانچہ کیسنگر بھی تالاب میں اُتر گئے۔ صدر نکسن اور کیسنگر تیرتے ہوئے دوسرے کنارے کی طرف گئے اور ان کرسیوں پر بیٹھ گئے جو آدھی سے زیادہ پانی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ صدر نکسن نے کیسنگر کے کان میں سرگوشی کی: "اگر تمام معاملہ مجھ پر چھوڑ دو تو میں کل تمہیں سیکرٹری آف اسٹیٹ نامزد کردوں گا۔"

صدر نکسن نے جس ڈرامائی انداز میں یہ خبر سنائی، اس پر خود ہنری کیسنگر کو بھی چند ساعتیوں تک یقین نہیں آیا۔ وہ اس وقت بھی حیران ہوئے تھے جب انہیں ۱۹۶۹ء میں صدارتی مشیر برائے قومی تحفظ بنایا گیا تھا۔ کیونکہ کیسنگر نے ۱۹۶۸ء کے انتخابات میں صدر نکسن کی اعلانیہ اور شدت سے مخالفت کی تھی۔

ہنری کیسنگر کا تعلق جرمنی کے ایک درمیانہ درجہ کے یہودی خاندان سے ہے۔ وہ جب پیدا ہوئے تو جرمنی میں نازی ازم اپنے عروج پر تھا۔ یہودیوں سے سخت نفرت کی فضا پائی جاتی تھی۔ اس لئے انہیں ہائی اسکول میں داخلہ نہیں دیا گیا اور یہودیوں کے اسکول میں پڑھنے پر مجبور کیا گیا۔ اسکول سے آتے اور جاتے ہوئے انہوں نے متعدد بار نازی ازم کے حامیوں سے مار کھائی۔ اس کا نفسیاتی اثر یہ پڑا کہ وہ تنہائی پسند ہوگئے اور لوگوں سے کترانے لگے۔

کیسنگر کے والدین ۱۹۳۸ء میں جرمنی سے فرار ہو کر امریکہ آگئے۔ اس وقت کیسنگر کی عمر بمشکل ۱۵ سال تھی۔ انہیں جارج واشنگٹن ہائی اسکول میں داخلہ مل گیا۔ امریکہ میں یہودیوں کے خلاف نفرت نہ ہونے کے باوجود وہ خوف زدہ رہتے تھے۔ کلاس میں کسی سے گفتگو نہ کرتے اور راستے میں بھی لوگوں سے کتراتے اور نظریں چراتے تھے۔ ان کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ اکاؤنٹینٹ بن جائیں۔

۱۹۴۲ء میں وہ فوج میں چلے گئے۔ یہاں انکی صلاحیتیں اُجاگر ہوئیں۔ انہیں محکمہ جاسوسی میں ترجمے اور تحقیق پر مامور



کر دیا گیا۔ بعد میں افسروں کو جدید جرمنی کی تاریخ پڑھانے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ کیسنگر نیویارک شہر کے کالج میں داخلہ لینا چاہتے تھے لیکن فوج کے ایک افسر نے مشورہ دیا کہ وہ ہارورڈ میں داخلہ لیں۔ انہی دنوں انہیں ہارورڈ کا وظیفہ بھی مل گیا۔ چنانچہ وہ ہارورڈ چلے گئے، یہاں انہوں نے تاریخ میں ریسرچ کی اور پروفیسر بن گئے۔ وہیں پر انہوں نے خارجہ پالیسی پر متعدد کتابیں لکھیں۔ "ایٹمی ہتھیار اور خارجہ پالیسی" ان کی ابتدائی کتابوں میں سے ایک ہے۔ تمام کتابوں میں اس بات پر زور دیا گیا کہ بین الاقوامی استحکام کے لئے فوجی طاقت میں توازن ہونا بہت ضروری ہے۔

ہنری کیسنگر جرمنی کے بسمارک سے بہت متاثر ہیں۔ خفیہ جوڑ توڑ اور معاہدوں پر یقین رکھتے ہیں۔ چنانچہ جب صدر نکسن نے انہیں قومی تحفظ کا مشیر بنایا تو کیسنگر نے بسمارک کی پالیسی پر عمل کیا۔ ویت نام اور عوامی جمہوریہ چین سے جو ابتدائی گفتگو کی اسے خفیہ رکھا اور جب بات کسی فیصلے یا معاہدے تک پہنچی تو اس کا اعلان کیا۔

ہنری کیسنگر کو ولیم روجرز کی جگہ نامزد کیا گیا۔ مشرق وسطیٰ میں روجرز پلان کی ناکامی کے بعد ولیم روجرز گمنامی کے پردے میں چلے گئے اور اس کے بعد صدر نکسن نے ہنری کیسنگر کو آگے بڑھایا تھا۔ کیسنگر نے امور خارجہ کے ماہر ہونے کا ثبوت دیا۔ چین سے تعلقات بڑھانے کی فضا ہموار کی اور خفیہ طور پر چین کا دورہ کیا۔ ویت نام میں جنگ بندی سے پہلے انہوں نے شمالی ویت نام کے رہنماؤں سے گفتگو کی اور شرائط جنگ بندی طے کیں۔ پیرس مذاکرات میں بھی اپنی ذمہ داریاں پوری کیں۔

لیکن ہنری کیسنگر کی نامزدگی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امریکی حکومت میں یہودیوں کا اثر و رسوخ بڑھتا جا رہا ہے۔ امریکہ کے حالیہ صدارتی انتخابات میں صدر نکسن کو یہودی علاقوں سے زیادہ ووٹ ملے تھے۔

ہنری کیسنگر، امریکہ کی موجودہ خارجہ پالیسی کے بانی جان فاسٹر ڈلس کے فلسفہ سے اتفاق نہیں کرتے۔ اس لئے امید ہے کہ عوامی جمہوریہ چین کی حکومت کو تسلیم کرانے کی کوشش کریں گے۔ اور اگر امریکہ نے چین کی حکومت کو تسلیم کر لیا، تو اس کی خارجہ پالیسی میں نئی تبدیلیاں رونما ہوں گی۔



گرنیچ

انہوں نے امریکہ
کی تعمیر و ترقی
میں بیش بہا
خدمات انجام دیں

امریکہ میں اعلیٰ عہدوں پر مہاجرین کی تقرری

امریکی صدر کے خارجہ امور کے مشیر ہنری کیسنگر کو سیکرٹری اسٹیٹ کے عہدے پر نامزد کر دیا گیا۔ ان سے قبل بھی یورپی ممالک کے بے شمار ممتاز افراد کو جنہوں نے امریکہ میں مستقل رہائش اختیار کر لی، اعلیٰ عہدے دیئے گئے ہیں۔ جن غیر ملکیوں نے امریکہ کی تعمیر و ترقی میں بیش بہا خدمات انجام دیں۔ ان میں مندرجہ ذیل افراد شامل ہیں۔

۱۔ مائک نکولس، عمر ۴۱ سال، فلم ڈائریکٹر ۱۹۳۹ء میں جرمنی سے ہجرت کر کے امریکہ پہنچا۔

۲۔ کلیس اولڈنبرگ عمر ۴۴ سال، آرٹسٹ ۱۹۳۸ء میں سویڈن سے آیا۔

۳۔ آئی ایم پائی، عمر ۵۶ سال، ماہر تعمیرات ۱۹۳۵ء میں چین سے آیا۔

۴۔ ہلمٹ سونن فلڈ عمر ۴۶ سال، ۱۹۴۴ء میں جرمنی سے ہجرت کر کے امریکہ پہنچا۔ ان دنوں ٹریزری میں انڈر سیکرٹری کا عہدہ سنبھالنے والے ہیں۔

۵۔ چارلس بلہدورن، عمر ۴۶ سال، گلف اینڈ ویسٹرن کے چیئرمین ہیں، ۴۲ء میں آسٹریا سے آئے۔

۶۔ لوکاز فوس، عمر ۵۱ سال کمپوزر اینڈ کنڈکٹر ۳۵ء میں جرمنی سے۔

۷۔ اوٹو ایکشین، عمر ۴۶، ماہر اقتصادیات، ۱۹۳۵ء میں جرمنی سے۔

۸۔ سرودی گرنیچ، عمر ۵۱ سال، خواتین کے ملبوسات کا ڈیزائنر، ۳۸ء میں آسٹریا سے امریکہ آیا۔

۹۔ جوز کوتینیڑو، عمر ۶۸ سال، تھیٹر ڈائریکٹر ۱۹۴۱ء میں نیاما سے آیا۔

۱۰۔ میکس فرینکل، ۴۳، جرنلسٹ، ۱۹۴۰ء میں جرمنی سے آیا۔

۱۱۔ روڈی میک ڈوال، عمر ۴۴، اداکار، ۱۹۴۰ء میں انگلینڈ سے امریکہ آیا۔

۱۲۔ ایچ گوبند کھورانا، عمر ۵۱، ۱۹۶۸ء میں میڈیسن میں نوبل انعام یافتہ، ۱۹۶۰ء میں بھارت سے امریکہ چلا گیا۔



کھورانا



اولڈنبرگ

۱۳۔ سنگ داولی، عمر ۴۶ سال اور چن ننگ یانگ عمر ۵۱ سال، ۵۷ء میں دونوں نے مشترکہ طور پر فزکس میں نوبل انعام حاصل کیا۔ دونوں ۴۶ء اور ۴۵ء ۱۹ء میں بالترتیب چین سے امریکہ چلے آئے۔

۱۴۔ جان سمتن، عمر ۴۸ سال، فلم اور تھیٹر کا نقاد ۱۹۴۰ء میں یوگوسلاویکیہ سے امریکہ چلا گیا۔

۱۵۔ ویل فریڈ شیڈ، عمر ۴۲، مصنف اور ایڈیٹر ۱۹۴۷ء میں انگلینڈ سے امریکہ چلا گیا۔

اظہارِ خیال

ادارے کا اس سے متفق ہونا ضروری نہیں، آپ بھی اس بحث میں حصّہ لے سکتے ہیں (ادارہ)

ڈھاکہ سمجھوتے کے تحت حکومتِ پاکستان بہاریوں کو بلوانے پر رضامند ہو گئی ہے۔ اب بہاریوں کی آبادکاری کا مسئلہ درپیش ہو گا۔ لہٰذا قارئین "الفتح" ان کی آبادکاری کے سلسلے میں اپنی تجاویز تحریر کریں
(ادارہ)

افتخار محمد خان بھوپالی

بہاریوں کی آمد سے سندھیوں کے حقوق غصب نہیں ہونگے

الفتح نے اس مسئلہ پر عوامی بحث کا آغاز کر کے ایک مستحسن قدم اٹھایا ہے۔ ادارتی نوٹ میں جن دو انتہا پسند موقف کا اظہار کیا گیا ہے اس میں اوّل الذکر کی سرغنہ جماعت اسلامی کو قرار دیا گیا ہے۔ میری ناچیز رائے میں حقیقت یہ نہیں ہے کہ جماعت اسلامی کو بہاریوں کی پاکستان میں آمد سے کوئی ہمدردی ہے۔ درحقیقت دائیں بازو کی ان جماعتوں ہی نے سب سے زیادہ مہاجرین اور بہاریوں کا استحصال کیا ہے۔ اور یہ استحصال اس غیر محسوس طریقہ پر کیا گیا کہ خود مہاجرین ان کی مہاجر کشی کے تباہ کن نتائج کا اندازہ نہیں کر سکے۔ پورے پاکستان میں ان جماعتوں کے ہتھے صرف مہاجرین ہی لگ سکے۔ وہ صرف اس لئے کہ اپنی ڈیڑھ سو سالہ جدوجہدِ آزادی میں پروان چڑھنے والی امنگوں، آزادی کے بعد سب سے زیادہ قربانی دینے اور کچھ زیادہ ہی "مسلمانیت" کے احساس نے اس قوم کو اسلام، پاکستان اور نظریہ پاکستان سے جذباتی طور پر وابستہ کر دیا تھا۔ ان جماعتوں نے مہاجرین کی ان کمزوریوں کو استعمال کرتے ہوئے ایکسپلائٹ کیا۔ اور مہاجرین نے اپنی اس جذباتی وابستگی کی وجہ سے انکی حمایت کی۔ آج جماعت اسلامی کا وجود صرف اس کی ان قومی یا صوبائی اسمبلیوں کی سیٹوں سے ثابت ہوتا ہے جو اس نے مہاجر حلقہ انتخاب سے حاصل کی ہیں۔ چنانچہ یہ کہنا کہ جماعت اسلامی کو مہاجرین یا بہاریوں کی آمد سے کوئی ہمدردی یا دلچسپی ہے، قطعی غلط ہے۔ حقیقت صرف اتنی ہے کہ جماعت اور اس کی مہاجر کش، بہاری دشمن لیڈر شپ صرف اپنے "جماعتی" مفاد کی خاطر بہاریوں کی آمد کی حمایت کر رہی ہے۔ یہ نادان آج بھی مہاجر کو اتنا ہی سیاسی شعور سے عاری سمجھ رہے ہیں کہ وہ اب بھی صرف جماعت کے نام پر "اسلام اور نظریۂ پاکستان" کے نام کے نعرہ پر سندھ میں بھی اپنی جان کی بازی لگا دیں گے۔ ان کی جماعتوں کا یہی اندازِ فکر مہاجرین کیلئے ہے۔

یہ سیاسی جماعتیں اندازہ لگا رہی ہیں کہ آئندہ انتخابات تک عوام کی طبقاتی معاشرہ کے خلاف جنگ کو تنگ نظر نیشنل ازم کی سمت موڑنے میں کامیاب ہو جائیں گی۔ چنانچہ یہ پارٹیاں کراچی میں غریب مزدور اور محنت کش مہاجرین، بھاولپور اور طبقہ سرائیکی بولنے والوں، بلتستانی، پشتونوں، بلوچوں کی صوبوں کی خود مختاری اور خوشحالی کی جدوجہد کی ہمت شکنی کر کے اور غیر واضح موقف اختیار کر کے سردست سرد خانہ میں ڈالے رکھنا چاہتی ہیں تاکہ آئندہ انتخابات کے قریب اچانک ان علاقوں کے عوام کے ہمدرد کا بہروپ دھار کر ان کی حمایت حاصل کر لیں۔ اور اس طرح عین موقع پر عوامی جدوجہد اور طبقاتی جنگ کو اپنے ناپاک مقاصد کے لئے استعمال کر جائیں۔ ان کے ان عوام دشمن ہتھکنڈوں سے نمٹنے کے لئے ضروری ہے کہ پاکستان کی کثیر القومیتی معروضی حقیقت کو بلا تاخیر تسلیم کرتے ہوئے نئے سرے سے صوبائی تنظیم و حد بندی کی جائے تاکہ ان علاقوں کے عوام کے استحصال کے نام پر یہ بورژوائی ذہنیت رکھنے والے رجعت پسند کٹھ ملا ان غریب محنت کش کسانوں اور مزدوروں کے قومیتی جذبات کو ابھار کر غیر طبقاتی معاشرہ کے قیام کی جدوجہد کا پرولتاری رُخ نہ موڑ سکیں۔

بہاریوں کا مسئلہ

حقیقت یہ ہے کہ بنگلہ دیش میں بہاریوں نے آگ نہیں بوئی بلکہ یہ آگ مغربی پاکستان کے اس گروہ نے بوئی جس کے استحصالی پنجے بہت وسیع ہیں۔ یہ گروہ بنگالیوں

کو قومیت کی دہکتی آگ میں جھونک کر اب مغربی پاکستان میں بھی چھوٹے صوبوں اور اقلیتی طبقوں میں یہی آگ بو رہا ہے۔ کیونکہ اس کے استحصال ذرائع غیر محدود ہیں۔ یہ پچیس سال سے بنگالی عوام کی غربت اور عزت سے خوب کھیلتے رہے اور جب محسوس کیا کہ بنگالی اب خواب غفلت سے بیدار ہو کر اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے ہیں تو یہ خونی بھیڑیئے راتوں رات فرار ہو کر اپنے عشرت کدوں کی طرف لوٹ آئے۔ غریب بہاری جن کے وسائل محدود تھے، انگاروں کی اس فصل کو کاٹتے کاٹتے خود کٹ گئے۔ استحصال زدہ صرف بنگالی نہیں تھے بلکہ یہ غریب بہاری بھی ان ہی خونیں بھیڑیوں کے زخم زدہ ہیں۔ حیرت اس بات پر ہے کہ دنیا بھر کی پرولتاری قوتیں ان مظلوموں کی دادرسی کے لئے ابھی تک کیوں آواز نہیں اٹھا سکیں۔ بنگلہ دیش میں قومیت کا جذباتی بھوت ابھی نہیں اترا۔ جب تک بنگلہ دیش اور پاکستان میں موجودہ سرد جنگ جاری رہے گی یہ بھوت نہیں اترے گا۔ لیکن اس کے اترتے اترتے مظلوم بہاری بھی موت کے گھاٹ اتر چکے ہونگے۔

بہاریوں کی آمد کے مخالف دو خطرات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اوّل ان کی آمد سے پاکستان کی معیشت پر اثر اندازی اور اور دوئم سندھ میں مقامی سندھی آبادی کی اقلیت میں تبدیلی۔ آیئے پہلے معاشی مسئلہ کو دیکھیں۔

میرے خیال میں معیشت یہ ہے کہ بہاریوں کی آمد سے پاکستان کی معیشت کسی طرح بھی متاثر نہیں ہوگی۔ وہ اس لئے کہ جتنی تعداد بہاریوں کی بتائی جاتی ہے اس سے کچھ زیادہ ہی تعداد میں یہاں بنگالی ہیں جو بنگلہ دیش جانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس تبادلۂ آبادی سے وہ معاشی وسائل جو بنگالیوں کے جانے سے خالی ہوں گے بہاریوں کی معاشی فلاح پر صرف کئے جا سکتے ہیں۔ مزید براں ان بہاریوں میں ہنرمند، تاجر، ملازم پیشہ اور مزدور سب ہی ہیں، اور یہ جہاں جائیں گے اپنے لئے خود ہی وسائل پیدا کرلیں گے جیسا کہ انہوں نے بنگلہ دیش میں اپنی ہجرت کے وقت کیا تھا، یا سندھ میں مہاجرین نے کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء میں سندھ سے ہندوستان جانے والے ہندو جو جائدادیں اور املاک چھوڑ گئے تھے، ان کا صرف ۲۸ فیصد مہاجرین کو کلیموں کی شکل میں دیا گیا۔ بقیہ ۷۲ فیصد مقامی سندھی آبادی نے غصب کر لیا۔ اب بنگالی اپنی جائدادیں اور املاک چھوڑ کر جائیں گے تو بنگلہ دیش میں ان بہاریوں کی جائدادوں پر قبضہ کرلیں گے۔ چنانچہ ان بہاریوں کو یہاں بنگالیوں کی جائیدادوں اور املاک پر قبضہ کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ یہ بہاری سندھیوں سے اپنا پچیس سال پرانا غصب شدہ ۷۲ فیصد حصہ نہیں مانگنے آرہے بلکہ نیا اور موجودہ حق لینے کا اختیار رکھتے ہیں۔ ان بہاریوں کی آبادکاری کا مسئلہ اگر حکومت چاہے تو ایک منصوبہ بندی کے ذریعے حل کر سکتی ہے۔ اگر تین لاکھ بہاریوں کو موجودہ چاروں صوبوں میں تقسیم کر دیا جائے تو ہر صوبہ پر صرف ۷۵ ہزار بہاریوں کی ذمہ داری آتی ہے۔ اور حکومت کے لئے اس معمولی تعداد کی آبادکاری ناممکن نہیں جبکہ حالیہ جنگ میں سرحدی

جب حکومت جنگ سے متاثر دس لاکھ افراد کی آبادکاری کر سکتی ہے تو کیا تین لاکھ بہاریوں کی نہیں کر سکتی؟

علاقوں میں رہنے والے دس لاکھ سے زیادہ متاثرین کو از سر نو آباد اور روزگار فراہم کرنا حکومت کے لئے ممکن ہے اور اس کی معیشت متاثر نہیں ہوتی تو تین لاکھ بہاری کون سا پہاڑ کے برابر مسئلہ پیدا کر دیں گے۔

دوسرا خطرہ سندھیوں کے اقلیت میں تبدیل ہو جانے کا ہے۔ یہ خطرہ وہی لوگ دکھا رہے ہیں جو حقائق سے قطعی ناواقف ہیں۔ سندھ کی موجودہ آبادی کے ایک سرسری جائزہ سے یہ خطرہ دم توڑ دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سندھیوں کی سندھ میں اکثریت کے لئے حقیقی خطرہ بہاری نہیں بلکہ دیگر صوبوں کے لوگوں کی آمد سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ تمام بہاری آنا چاہتے ہیں۔ (جبکہ یہ حقیقت پسندانہ مفروضہ نہیں) تب بھی تین لاکھ بہاری آئیں گے جبکہ دوسرے صوبوں سے آنے والے لوگوں پر کوئی پابندی ہی نہیں، اور نہ ان کی آمد پر کوئی واویلا مچایا جانے والا ہے۔ سندھ کی موجودہ آبادی تقریباً سوا کروڑ ہے جس میں ۳۴ لاکھ مہاجرین، ۱۶ لاکھ پنجابی اور پٹھان وغیرہ، اور ۷۵ لاکھ سندھی ہیں۔ چنانچہ تین لاکھ بہاریوں کی آمد سے مہاجرین کی تعداد ۳۷ لاکھ ہو جائے گی، تب بھی سندھی آبادی ان سے دو گنی ہوگی، اور چونکہ بہاریوں کی یہ تعداد بھی اندرون سندھ کی بجائے کراچی میں رہنا پسند کرے گی، اس لئے اندرون سندھ سندھی معیشت متاثر نہیں ہوگی۔ غیر سندھی آبادی جو اب ۵۰ لاکھ ہے بڑھ کر ۵۳ لاکھ ہو جائے گی، تب بھی واضح اکثریت سندھیوں کی ہی رہے گی۔ چنانچہ یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ بہاریوں کی آمد سے سندھی اکثریت کو خطرہ ہے۔ ان تین لاکھ بہاریوں کے علاوہ مہاجروں کے سندھ میں آنے کے اور کوئی امکانات نہیں۔ برخلاف اس کے دوسرے صوبوں سے برابر بڑی تعداد میں آمد جاری ہے۔ اور یہ تعداد کراچی کے علاوہ اندرون سندھ میں بھی بڑی تعداد میں آباد ہو رہی ہے۔ اس لئے حقیقی معنوں میں سندھی اکثریت اور سندھ کی معیشت کو اس اندرون ملک آمد سے خطرہ پیش آ سکتا ہے نا کہ بہاریوں کی آمد سے۔

سندھی مزدوروں، ہاریوں اور عوامی قوتوں کو تعصب کی عینک اتار کر اصل استحصالی طبقہ کے خلاف صف آرا ہو جانا چاہیئے۔ سندھی وڈیرہ شاہی، سرمایہ داری اور جاگیرداری اپنے وجود اور ظلم کی عمر بڑھانے کے لئے ان کو بہاری خطرہ دکھا کر محنت کشوں کے خلاف صف آرا کرنا چاہتی ہے۔ مظلوم ہاری اور مجبور بہاری دونوں ایک ہی چکی میں پس رہے ہیں۔ بہاریوں کی آمد کی مخالفت چھوڑ کر ظالم سرمایہ داروں، جاگیرداروں، وڈیروں اور نوابوں کے خلاف بہاریوں اور ہاریوں کی متحدہ جدوجہد ہی ان کو ظلم کی اس سیاہ رات سے نجات دلا سکتی ہے۔

پرولتاری سندھی بھائیو! سوچو سمجھو اور عوام دشمنوں کا آلہ کار بننے کی بجائے عوام دوست بنو۔ خود جیو اور مہاجروں اور بہاریوں کو جینے دو!

ٹیکسی ڈرائیوروں کے مسائل

ٹریفک پولیس ٹیکسی اور رکشہ ڈرائیوروں کو اپنا زرخرید غلام سمجھتی ہے "تو، اے" سے مخاطب کیا جاتا ہے اور گالی سے گفتگو کی ابتدا کی جاتی ہے!!

شہری ٹیکسی ڈرائیوروں کو قانون شکنی پر مجبور کرتے ہیں !



سید مسعود حسین

عوام کی پریشانیوں کی وجہ - غلط منصوبہ بندی

ٹیکسی ڈرائیوروں کا مسئلہ بھی پاکستان کے دوسرے مسائل کی طرح ایک اہم مسئلہ ہے۔ ٹیکسی ڈرائیوروں کا طبقہ ایک ایسا طبقہ ہے، جو ہر روز کنواں کھودتا ہے اور پانی پیتا ہے۔ جس دن گاڑی چلی، اس دن گھر کی گاڑی بھی چل گئی ورنہ اللہ مالک۔ عوام کو اس طبقہ سے الگ شکایت ہے اور انہیں اپنے سیٹھوں اور پولیس کے عملہ سے بھی شکایت ہے۔ دراصل پولیس اور سیٹھ ایک ایسی دیوار ہے جس نے عوام اور ٹیکسی ڈرائیوروں کے درمیان کشیدگی کی دیوار کھڑی کر دی ہے۔

ٹریفک پولیس ان کو اپنا غلام بلکہ زرخرید اور مستقل غلام سمجھ کر ان کے ساتھ انتہائی توہین آمیز سلوک کرتی ہے جس طرح ان لوگوں کو مخاطب کیا جاتا ہے۔ وہ انتہائی ہتک آمیز اور ناقابل برداشت ہے۔ ماسوائے چند کے کوئی بھی پولیس والا کسی رکشہ یا ٹیکسی ڈرائیور کو آپ یا تم سے مخاطب نہیں کرے گا۔ بلکہ "تو" "یہ" "اے" اور یہاں تک کہ گالی سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔

سب سے زیادہ ظلم ان لوگوں کے ساتھ اس وقت کیا جاتا ہے جب ان کا کسی وجہ سے چالان کیا جاتا ہے، اور یہ لوگ عدالت میں اپنی صفائی میں کچھ کہنے سے اس لئے معذور ہوتے ہیں کہ یہ اپنی مفلوک الحالی کی وجہ سے کوئی وکیل نہیں کر سکتے اور عدالت کے آداب سے ناواقف ہونے کی بنا پر اپنی صفائی میں کچھ کہنے سے جھجکتے ہیں۔ مجسٹریٹ صاحبان جو جرمانے کرتے ہیں، وہ بھی ناقابل برداشت ہوتے ہیں۔ بعض اوقات جرمانہ بروقت ادا نہ کرنے پر ان کو جیل تک جانا پڑتا ہے۔ اس مہنگائی کے دور میں ہر ٹیکسی یا رکشہ ڈرائیور سو، دو سو روپیہ جرمانہ فوری طور پر ادا نہیں کر سکتا۔ اس لئے ڈرائیوروں کو (جرمانے کی رقم ادا کرنے تک) جیل میں رہنا پڑتا ہے۔ دوسری طرف ان کے متعلقین جرمانے کی رقم یا تو کہیں سے قرض لیتے ہیں یا گھر کی کوئی قیمتی چیز اونے پونے دام میں فروخت کر کے جرمانہ ادا کرتے ہیں۔ جرمانے کی ادائیگی کے بعد اس کے خاندان کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ان کا معاشرہ اندازہ بھی نہیں کر سکتا۔

ٹیکسیوں میں بعض اوقات چار سے زیادہ افراد بیٹھنے کے لئے اصرار کرتے ہیں۔ ڈرائیور کے انکار پر کچھ زیادہ پیسوں کی بھی پیشکش کرتے ہیں۔ اس طرح بعض اوقات شہری بھی

ٹیکسی ڈرائیوروں کو روزگار کی ضمانت حاصل نہیں

زیادہ پیسے کا لالچ دیکر ڈرائیور کو قانون کی خلاف ورزی پر آمادہ کرتے ہیں۔ اگر اس پر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو مناسب ہوگا۔ بسوں اور ویگنوں میں مقررہ تعداد سے زیادہ سواری بٹھانے پر نہ تو پولیس قانونی کارروائی کرتی ہے اور نہ شہری ہی برا محسوس کرتے ہیں۔ دوسری طرف ٹیکسی یا رکشہ میں مقررہ تعداد سے زیادہ سواری بیٹھے تو فوراً چالان ہو جاتا ہے۔ اگر آر۔ ٹی۔ اے اور ٹریفک پولیس کے حکام اس اہم مسئلہ پر بھی سنجیدگی سے غور فرما کر کوئی مناسب فیصلہ کر دیں تو بہت سے شہریوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ مثلاً اتنی رعایت تو دی جا سکتی ہے کہ صبح دفتروں کے اوقات میں ٹیکسی میں چار کی بجائے پانچ اور رکشہ میں دو کی بجائے تین سواری بٹھانے کی اجازت دے دی جائے تو اس سے ایک طرف تو بسوں میں رش کم ہو جائے گا اور دوسری طرف شہریوں کو بھی کسی حد تک آرام ہو سکتا ہے۔

شہریوں کو ان سے شکایت ہے کہ یہ لوگ میٹر سے زیادہ کرایہ وصول کرتے ہیں۔ اور کم فاصلے کی سواری بٹھانے سے انکار کر دیتے ہیں۔ یہ دونوں شکائتیں جائز ہیں۔ لیکن ان کی بھی مجبوریاں کچھ ایسی ہیں کہ اگر ان پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو عوام کو ان سے شکایت نہیں رہے گی۔ کراچی میں جو گاڑیاں چل رہی ہیں وہ مالکان سے ٹھیکے پر لیکر ڈرائیور چلاتے ہیں جس کا چوبیس گھنٹے کا کرایہ چالیس، پنتالیس، پچاس بلکہ ساٹھ روپیہ تک ادا کیا جاتا ہے۔ عموماً یہ رقم ڈرائیور جائز طریقے سے عوام سے پوری کر لیتے ہیں۔ مگر کبھی مالکوں کی مقررہ رقم پوری نہیں ہوتی تو ڈرائیور مجبوراً مسافروں سے زائد کرایہ وصول کرنا چاہتے ہیں جو شہریوں کی تکلیف اور ناراضگی کا باعث بنتا ہے۔ زیادہ تر لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے اور جو کرایہ ڈرائیور طلب کرتا ہے، دے دیتے ہیں بلکہ بعض تو اس سے بھی زیادہ دیدیتے ہیں۔ لیکن بعض شہریوں کو مقررہ شرح سے زیادہ کرایہ ادا کرنا یقیناً ناگوار گزرتا ہے۔ جس کی شکایت کرنے میں وہ لوگ حق بجانب ہیں۔ مگر ڈرائیور بھی کیا کرے اسے مالک کی رقم پوری نہ کرنے پر فوری طور پر بغیر کسی نوٹس کے گاڑی چلانے سے معذور کر دیا جاتا ہے۔ اور بیروزگار ہونے کی صورت میں اس کے خاندان کو فاقے تک کرنے پڑتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں صرف ڈرائیور اور کنڈیکٹر ہی ایسے مظلوم افراد ہیں جن کے روزگار اور جان و مال کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔ کسی گھریلو ملازم کو بھی ملازمت سے جواب دینے سے پہلے یا تو اسے چند روز پہلے بتا دیا جاتا ہے یا کوئی مناسب رقم دیکر جواب دیا جاتا ہے۔ ہم لوگ جو اپنی جان کا داؤ لگا کر دن رات مالکوں کی تجوریاں بھرتے ہیں، خود تو ایک طرف، بعض اوقات اپنے معصوم بچوں کا پیٹ بھی نہیں بھر سکتے۔

صبح کے وقت جبکہ لوگ اپنے دفتروں کو جاتے ہیں۔ اس وقت رکشہ اور ٹیکسیوں کی کمی بھی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ بعض حضرات معمولی مسافت بھی ٹیکسی میں طے کرنا چاہتے ہیں، جس دور جانے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اور پھر کراچی میں ٹیکسی کا دھندا بھی یکطرفہ ہے۔ مثلاً صبح کے وقت لیاقت آباد، ناظم آباد، حیدری اور نئی کراچی سے شہر آنے کے لئے تو مسافر مل جاتے ہیں مگر شہر سے ان مقامات پر جانے کے لئے کوئی سواری نہیں ملتی۔ اس لئے ٹیکسی ڈرائیور صبح کے وقت بیچ راستے سے سواریاں نہیں اٹھاتے۔ کیونکہ صبح کا وقت ان کے لئے بہت قیمتی ہوتا ہے۔ بعض لوگ تنگ گلیوں اور ناہموار سڑکوں پر جانے کو کہتے ہیں، اس سے نہ صرف گاڑیوں کا نقصان پہنچتا ہے بلکہ میٹر کی رقم سے زیادہ پٹرول خرچ ہو جاتا ہے۔ اور رات کے وقت ڈرائیور لوگ سواری اٹھانے سے جو انکار کرتے ہیں، اس کی بھی کئی وجوہات ہیں۔ بعض ڈرائیور سواریوں سے ڈر کر انکار کر دیتے ہیں کہ سنسان مقام پر ان کو لوٹا نہ جائے۔ اور بعض لوگ ایسی جگہ جانا چاہتے ہیں جہاں سے واپسی کے لئے کوئی دوسری سواری نہیں ملتی۔ مثلاً رات کے دو بجے آپ حیدری، نئی کراچی کورنگی، ماڑی پور جائیں تو وہاں سے لازمی طور پر خالی آنا پڑتا ہے جو ڈرائیوروں کے لئے بہت نقصان دہ ہوتا ہے۔ اگر مسافر حضرات ایسی جگہوں کے لئے کم از کم پچاس فیصد کرایہ زائد ادا کریں تو ڈرائیور کو بھی جانے سے انکار نہ ہوگا۔

یہ سب باتیں اگر باہمی طور پر طے ہو جائیں تو پھر نہ شہریوں کو ہم سے کوئی گلہ ہوگا اور نہ ہی ہم لوگوں کو کوئی شکایت ہوگی۔ اس کے لئے ایک ایسی تنظیم کی ضرورت ہے جو ٹیکسی ڈرائیور اور شہریوں کے درمیان رابطہ قائم کرے۔

بقیہ • احوال واقعی

یہ خبریں کہ روس چین کے خلاف جنگ کرنیکی تیاریاں کر رہا ہے اور بھی ذرائع سے موصول ہو رہی ہیں۔ ہفت روزہ اکانومسٹ لندن کے ایک نمائندے نے سوویت یونین کا دورہ کرنے کے بعد جو خبر بھیجی ہے انتہائی تشویشناک ہے۔ نامہ نگار لکھتا ہے کہ "روسی باشندے ذہنی طور پر چین سے جنگ کرنے اور اسے تباہ کرنے کے لئے تیار ہو چکے ہیں۔ ایک تجربہ کار اور معمر روسی صحافی نے اکانومسٹ لندن کے نمائندے سے بات چیت کرتے ہوئے چین کے بعض حصوں مثلاً منچوریا، اندرونی منگولیا اور سنکیانگ پر مشتمل الگ الگ آزاد ریاستیں بنانے پر زور دیا تاکہ وہ روس اور چین کے درمیان بفر اسٹیٹس BUFFER STATES بن جائیں۔" عام طور پر خیال یہی کیا جاتا ہے کہ روسی حکمران سمجھتے ہیں کہ ابھی جبکہ چین کی ایٹمی طاقت بہت محدود ہے، اُس کے ایٹمی اسلحہ کے کارخانوں کو اچانک حملہ کر کے تباہ کر دیا جائے۔

آخر روس کی موجودہ قیادت لینن کے دیس کو کہاں لے جائے گی۔

بقیہ • سندھ کا سیلاب

لاشاری اور محمد ابراہیم بھیل اور تپن پٹیدار رحمت اللہ، تاج محمد اور دین محمد کر رہے ہیں۔ کیمپ میں تمام رہائش پذیر لوگوں نے مذکورہ افراد کی فرض شناسی کی تعریف کی۔ ایک سیلاب زدہ مسٹر اللہ بچایو سیال جو کہ مڈل اسکول پرن کے ہیڈ ماسٹر ہیں، بتایا کہ ۲۳ اگست کی رات کے چار بجے ان کے گاؤں پرن والا بند میں شگاف پڑ گیا۔ انہیں تقریباً پانچ بجے معلوم ہوا، تو انہوں نے گاؤں والوں کو ساتھ لے کر قریب والی نہر کو قابو کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گئے مگر ان کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ لہذا وہ صرف اپنی اور اپنے خاندان کی جان بچا کر مورو پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، اور سرکاری بسوں کے ذریعے اس کیمپ میں آ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ مورو میں وہ اپنے خرچ پر رہ رہے ہیں، ان کو سرکاری یا غیر سرکاری امداد نہیں ملی۔ البتہ نوشہرو فیروز کیمپ میں ان کو تین وقت کا کھانا مل رہا ہے اور کیمپ کا عملہ بھی حسنِ اخلاق سے

پیش آرہا ہے۔

ایک دوسرے سیلاب زدہ غلام حسین پنگر نے بتایا کہ وہ بھی پرن کا رہنے والا ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ سو رہا تھا تو تقریباً ۵ بجے ان کے گھروں میں پانی بھر گیا اور وہ فوراً اپنے بچوں کو لے کر اونچی جگہ پر آگیا۔ اس نے بتایا کہ وہ اپنے ساتھ کوئی چیز نہیں لا سکا۔ اس نے مزید بتایا کہ وہ اپنے خاندان کے ساتھ مورو پہنچا اور وہاں سے نوشہرو فیروز کیمپ میں منتقل ہو گیا۔ اس نے بتایا کہ اس کیمپ میں انہیں تین وقت کا کھانا مل جاتا ہے لیکن مورو میں انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔ غلام حسین نے قریب آٹھویں جماعت کا طالب علم غلام شبیر ولد لونگ کھڑا تھا یہ بھی سیلاب زدہ لوگوں میں سے تھا، اور بہت ملول دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے فوری طور پر یہ کہہ دیا کہ کوئی بات نہیں، حالات معمول پر آئیں گے تو ان افسروں سے ضرور حساب کتاب ہوگا ہم لوگ ایسے راشی افسروں کو کسی قیمت پر معاف نہیں کریں گے۔

ایک اور سیلاب زدہ یا ندھی خان کاریو ساکن درس نے کہا کہ اس کے گاؤں کو ۲۴ اور ۲۵ اگست کی درمیانی میں سیلاب نے گھیر لیا۔ انہیں اس وقت پتہ چلا جب پانی ان کے گھروں کے اندر گھس آیا۔ اور وہ بمشکل اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ جان بچا کر قریبی ریلوے لائن پر پناہ لے سکا۔ دوسرے روز وہ ایک ٹرک کے ذریعے اس کیمپ میں آگیا۔ یہاں انہیں تین وقت کھانا مل رہا ہے۔ کیمپ کا انتظام نہایت معقول ہے۔ اس نے بتایا کہ لائن پر قیام کے دوران ان کی مدد کے لیے کوئی نہیں آیا اور ان کے بچے بھوک اور پیاس سے بلکتے رہے۔

شہر مورو کے ایک شخص محمد یعقوب سولنگی نے بتایا کہ وہ ڈپٹی کمشنر کے حکم سے اس کیمپ میں آیا۔ اس نے کہا کہ مورو سے نوشہرو فیروز تک سواری کا انتظام حکومت نے کیا تھا۔ اس نے الزام لگایا کہ مورو کی انتظامیہ امدادی رقم کو خورد برد کر رہی ہے۔ اور مصیبت زدہ لوگ اپنا خرچ خود پورا کر رہے ہیں۔ اس نے مزید بتایا کہ مورو کا ۸۰ فیصد شہر خالی ہو گیا ہے، شہر کا آدھا حصہ زیر آب ہے اور لاتعداد مکانات تباہ ہو گئے ہیں۔

حاجی یاگو خان سیٹھار زد پرن تحصیل مورو کے ایک مصیبت زدہ محمد ابراہیم ولد محمد اسمٰعیل بھٹو نے بتایا کہ اس کے خاندان کے ۲۵ افراد ہیں جن کو لے کر وہ ۲۴ اگست سے نوشہرو فیروز کے اسٹیشن پر پڑا ہوا ہے۔ ان کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ وہ سب کچھ لٹا کر یہاں آیا ہے اور لوگوں سے مانگ کر بچوں کا پیٹ بھرتا ہے۔ اس نے اپنی مصیبت کی داستان بیان کرتے ہوئے کہا کہ صبح کے تقریباً ۵ بجے ان کے گاؤں کے بالکل سامنے بند میں شگاف پڑ گیا اور چند لمحوں کے اندر اندر سیلاب کا پانی ان کے گھروں میں گھس گیا۔ انہیں اتنی بھی مہلت نہیں ملی کہ وہ کچھ ضروری اشیاء نکال سکتے۔ بڑی مشکلوں سے اپنی جانیں بچا کر بھاگے۔ اس نے بتایا کہ اسے ابھی تک کسی طرف سے کوئی امداد نہیں ملی۔ البتہ آج کالج کے اساتذہ آئے تھے جنہوں نے خشک خوراک کے چند پیکٹ دیئے ہیں۔

ایک طرف تو عوام پر قدرتی مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں، لوگ اپنی جانیں بچانے میں مصروف ہیں، اور دوسری افسر شاہی کی مذموم حرکات عروج پر ہیں۔ ۲۳ اگست کو ڈاکٹر عبدالخالق پروہی جو کنڈیارو رورل ہیلتھ سنٹر کے ڈاکٹر ہیں، سرکاری گاڑی میں نوشہرو فیروز کے بس اسٹینڈ پر پہنچے اور ایک دکان سے شراب کی بوتلیں خریدیں۔ اسکے بعد شہر کے ایک بدنام اڈے پر پوری رات گزارنے کے بعد صبح کو کنڈیارو روانہ ہو گئے۔ اس مصیبت کے وقت افسر شاہی کا کتنا گھناؤنا کردار منظر عام پر آرہا ہے۔ اب یہ حکومت کے ارباب اختیار کا فرض ہے کہ حالات معمول پر آنے کے بعد ایک غیر جانبدارانہ کمیشن مقرر کر کے ایسے غیر ذمہ دار، ناعاقبت اندیش افسروں کے "کارناموں" کی تحقیقات کرائی جائے جن افسروں نے کارندوں نے اپنے پیٹ بھرنے کی غرض سے بندوں میں شگاف ڈال کر لاکھوں روپے کا نقصان کیا ہے۔ ان کے خلاف سخت کارروائی کی جائے۔



وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو سیلاب زدگان کے ایک کیمپ میں متاثرین سے خطاب کر رہے ہیں

Regd No: S ... 72
Weekly "Al - Fatah" Karachi
6-13, SEPT 1973

بھائی! میں نے تو حفاظتی بند بنایا ہے اپنی بھوک کہیں اور سے پوری کرو

